بسم الله الرحمن الرحيم

ردعمل

حمزہ یعقوب

اِنتساب

رقیہ بیگم (نانی اماں)

کے نام

ترتیب

پیش لفظ	11
مقدمہ	19
اظہار تشکر!	23
چھونے سے پہلے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا	24
نئے پرانے زمانوں سے ہو کے آتی ہے	25
سبزا الگ کرتا ہے، پامال الگ کرتا ہے	26
نگاہ بھر لو، پس و پیش ایک جیسے ہیں	27
کثیف کچھ بھی نہیں ہے لطیف سب کچھ ہے	28
کسی نے پھینکے تھے اس سمت سنگ ایسے ہی	29
ستارہ کش ہوں ذرا گال دیکھنے دے مجھے	32
ہمیشہ کوئی نہ کوئی جواز لے آیا	34
مقابلے کے لیے لے رہا ہے نام اس کا	36
ذرا غلامی کا کچھ ذائقہ غلام بھی لے	38
کائناتوں کے مابین کب سے سفر کر رہا ہوں مگر مجھ کو افسوس ہے آج تک بھی کہیں سے	40
رد ہونا اک طرح کی پذیرائی ہی تو ہے	41
یہی بہت ہے کہ دنیا کے رد میں اس نے مجھے	42
سکھ کا سراغ بھی مجھے افتاد سے ملا	44
گھڑی کی سوئی سمے کے سفر میں رہ گئی تھی	46
ہر چیز پر ہے میری نظر کائنات میں	47
نہ امن اور نہ مسائل کے حل میں ہوتا ہے	49

جو کر رہے ہیں ان کی مدد کر کے دیکھ لیں 51
سایہ نظر نہ آئے تو قد ڈھونڈتا ہوں میں 52
دل لگی کی تھی محبت نہیں کی تھی میں نے 53
زندگی پوری سہولت نہیں دیتی تھی مجھے 55
بات میں جتنے بھی ابہام تھے، رد کرتا تھا 57
نہ احترام نہ دل سے ادب کا ہوتا ہے 58
جن دنوں بے سروسامان نہیں ہوتے تھے 60
ٹکرانے سے جو آگ اٹھی تھی، اسی کا ہو 62
کہاں چراغ کو مسمار کرنے آتی ہے 64
چند پیوند جیسے ستارے ہیں اور خاک ہے 65
سبھی کا کوئی نہ کوئی سہارا ہوتا ہے 67
کون سی شے نہیں پگھلے گی تپش سے میری 69
ہمیشہ کی طرح حیران کر دیا اس نے 70
شروع ہونے کا مطلب ہی اختتام نہ ہو 71
زمیں کے قبلہ نماؤں کو پچھلی مرتبہ آزما لیا تھا 73
پتھر پانی ہو جاتے تھے دیوار نظر نہیں آتی تھی 74
معنی کی قید ہے نہ کوئی اور حساب ہے 76
جھیل کی سطح پہ پھیلی ہوئی کائی سے ہوا 78
نئے بدن نئی عورت سے مل کے آیا ہے 79
رفتار جتنی تیز رکھو کوئی حد نہیں 80
جتنا کشش کا جادو تھا، سارا خلا کا تھا 82

کسی سے جنگ کسی سے جہاد چاہتے ہیں 84
تیری جگہ اداس ترا یار کرتا ہے 86
آئینہ ساز تو تو فقط اس مصیبت میں ہے کہ ترے آئینوں اور تجھ میں ازل سے کوئی خطِ تنسیخ ہے 88
باہر کی روشنی سے کہاں خاک ہو گئے 89
دشتِ دل ہے، یہاں رفتار سے کیا چلتا ہے 91
یوں ہی نہیں ہے دوست مرا دم گھٹا ہوا 92
سب نے اپنی کہکشاؤں سے علیحدہ کر دیا 93
کیا جانیے کب دیدۂ حیران میں آئی 94
کہاں تک بچ سکو گے ہمسفر آہستہ آہستہ 96
طلسم خانۂ حیرت سے جا لگوں گا میں 97
اسلوب یقیناً ہے جداگانہ خدا کا 99
گلے ملتے ہوئے واپس پلٹ جائے گا صاحب 101
سو طرح سے پیار کا اظہار کر سکتا تھا میں 103
کچھ نہ کہہ کر بات کا اظہار کرنا آ گیا 104
شجر کا سایہ نہ دیوار ہے ہمارے لیے 105
ابھی تو صرف بدن زیرِ غور ہے ورنہ 107
زمانے بعد محبت قبول ہو گئی تھی 108
لچک کا کیا ہے کہ آب و ہوا میں کچھ بھی نہیں 110
آنکھوں میں عکس بارِ دگر روشنی کا ہے 112
تمھیں بھی مجھ سے کہاں پیار ہونے والا ہے 114
گل ہے اور بدگماں تو ہو گا ہی 116

کوئی کرے بھی اگر، ہو بہو نہ ہوتا کہ	118
بوجہ منصب و نام و نسب نہیں کرتا	120
نثری نظمیں	
ہم پہلی بار کہاں ملے تھے	123
کلاس فیلو	125
A new definition of Love	127
سبب/مسبب	128
Argument/دلیل	131
Thousand ways to say I love you	134
Nocturnal Lagophtalmos	136
Happy Birthday to Me	138
Hell	140
Why does I have a breakup every Winter?	142

پیش لفظ

حمزہ یعقوب نئی نسل کے شعرا میں بہت ذہین اور سمجھدار شاعر ہے۔ وہ ایسی ذہانت کا حامل ہے کہ تھوڑی بات سے بھی بہت کچھ اخذ کر لیتا ہے۔ اسے خود بھی اس بات کا احساس ہے کہ ذہین ہونا حسین ہونے سے اہم ہے۔ زیرِ مطالعہ مجموعہ غزلوں اور چند نثری نظموں پر مشتمل اس کی ذہانت کی معتبر گواہی ہے۔ ابتدا سے نہایت تک اس کی شاعرانہ زندگی و ذہانت کی نشوونما کا بیان اور مصدقہ روزنامچہ ہے۔ اس کی موجودہ شعری حدود کا تعین بھی ہے۔

آج کا نوجوان دولت، مال وزر، جاہ وحشم، محبت اور شہرت کے لیے پاگل ہوا پھرتا ہے اور اس کے حصول کے لیے انتہائی قدم اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتا ہے۔ حمزہ یعقوب ان مسائل میں الجھنے کے بجائے علمی و تحقیقی سرگرمیوں میں ہمہ وقت مصروف، یورپ میں تعلیمی سلسلے میں مقیم ہے۔ ماضی میں اس کے ساتھ کئی حادثے ہوئے اور اسے بار بار علمی شعبے بدلنے پڑے۔ اب ہنگری میں زیرِ تعلیم اور اپنی تعلیمی و علمی سرگرمی سے مطمئن اور شاداں ہے۔

حمزہ یعقوب میں اچھے محقق کے بھی تمام گن ہیں۔ بہت جلد اس کے تحقیقی و تدوینی کام بھی سامنے آئیں گے تو اس کے جوہر کھلیں گے۔ فی الحال اس کا تخلیقی کام جس کا بیشتر حصہ غزلیات کی صورت میں ہے، سامنے آنیوالا ہے۔ یہ غزلیں اس نے پچھلے دو چار برس میں کہی ہیں۔

غزل اور غزل سے ملتی جلتی اصنافِ ادب کا اردو کے آغاز سے ہی غلبہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ شعوری اور غیر شعوری طور پر غزل کی بالا دستی ہمیشہ قائم رہی ہے۔ جتنی شاعری غزل اور مثنوی کی صورت میں موجود ہے، دنیا کی کسی اور زبان میں کسی اور صنف میں نہیں ہے۔ آج بھی مثنویوں کے مخطوطے منوں کے حساب سے محققین کے انتظار میں مٹی ہو رہے ہیں۔ ولی دکنی سمیت کئی شعرا کی شاعری آج تک دریافت ہو رہی ہے۔ مثنوی متروک صنف ہو چکی ہے، اب غزل اردو شاعری کی بالا دست صنف اور ہر شاعر کی تربیت کا براہِ راست لازمہ ہے اس لیے حمزہ یعقوب کا غزل کی

طرف میلان بہت فطری ہے۔

غزل پر جدید یا مابعد جدید غزل کی تہمت ممکن ہی نہیں ہے۔قدیم، جدید اور معاصر غزل زبان کے ارتقائی افتراق کے ساتھ روایتی غزل ہی ہے۔جدیدیت کی شرط اول روایتی ہیئتوں کی منسوخی اور نئی ہیتوں کی تشکیل تھی لیکن غزل میں ہیئت کی تبدیلی ممکن نہیں ہے اس لیے اس پر جدیدیت کا اطلاق ممکن نہیں ہے۔البتہ اس کے مضامین اور خیالات بدلنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔زبان تو ارتقائی طور پر مسلسل تبدیلی کے عمل سے گزرتی ہے،اس لیے غزل میں زبان کی تبدیلی ارتقا کی مرہون ہے۔کسی شعوری کوشش کا نتیجہ نہیں ہے۔مضامینمیں تیزی سے تبدیلی آزاد نظم کی وجہ سے آئی۔آزاد نظم پر کسی قسم کی موضوعاتی پابندی نہیں تھی اس لیے نظم نے انسان کے ارد گرد کا ماحول اور انسان کی معروضی اور موضوعی حیات و کائنات کو موضوع بنایا تو غزل نے بھی اپنا دامن کشادہ کرلیا۔

غزل اور نظم کی تنقید میں ناقدین خصوصی طور پر دو اصطلاحات کا بہت غلط استعمال کرتے آئے ہیں: خیال اور احساس۔دونوں میں سے کسی ایک کی تفہیم دوسرے کی تفہیم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔غزل کی تنقید میں بعض اوقات معمولی تبدیلی کے ساتھ اسی قسم کی اصطلاحات کچھ یوں استعمال ہوتی ہیں: شعری وفور، شدتِ احساس، سچی شاعری، جدتِ خیال۔ان کے معانی کبھی واضح نہیں ہوتے ہیں۔اندازہ ہے کہ شدتِ احساس کو جذبہ یا ہیجان کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔حمزہ یعقوب کے پاس خیال اور احساس کی مثالوں کی فراوانی ہے کیوں نہ حمزہ یعقوب کے ایک شعر سے ہی خیال اور احساس کی فہم کے لیے مدد لی جائے۔

مقابلے کے لیے لے رہا ہے نام اس کا
ترے لیے تو یہی ہے بہت غلام اس کا

اس شعر میں ایک دشمن، غلام کے آقا سے مبارزت طلب ہے اور غلام آقا کے دشمن سے کہہ رہا ہے کہ نہیں، تو آقا کے جوڑ کا نہیں ہے بلکہ میں ہی تیرے لیے کافی ہوں، مجھ سے جنگ کر۔

اس شعر میں یہی بیان شدہ حقیقت خیال ہے۔ خیال ہمیشہ بیان شدہ حقیقت اور احساس اس بیان کا ماحول ہوا کرتا ہے۔ درج بالا شعر کے ماحول کو اساطیری بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس شعر پر دوبارہ غور کرنے سے ذہن میں میدانِ جنگ کا نقشہ ابھرتا ہے۔ جہاں ایک شخص کسی قوم یا قبیلے کے سردار سے آمادۂ جنگ اور مبارزت طلب نظر آتا ہے۔ قدیم تہذیبوں میں سرداری دوبدو خونی مقابلے کی مرہون ہوتی تھی۔ سب سے زیادہ بہادر اور طاقت ور آدمی سردار منتخب کیا جاتا تھا۔ محمود و ایاز کا قصہ تو بالکل سامنے کا ہے۔ پہلے مصرع میں لفظ مقابلے کی وجہ سے ذہن کسی عورت، شہزادی یا سردارنی کی طرف نہیں جاتا کیونکہ عورت کو جنگ کے لیے للکارا جانا تاریخ میں نظر نہیں آتا۔ جنگی میدان میں یہی مبارزت طلبی، درحقیقت ماحول ہے جسے احساس کہا جاتا ہے۔ اساطیری ماحول کہنے سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اس سے مراد کوئی اساطیری واقعہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں اساطیر کا احساس تو ہوتا ہے لیکن کوئی اساطیری واقعہ نہیں ہوتا۔ اس شعر کے لیے حوالے سے یوں کہا جا سکتا ہے: اپنے احساس میں اساطیری شعر ہے۔ خیال اور احساس میں افتراق اس لیے ضروری تھا کہ اسے بار بار دہرانے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔

آج کے نوجوان شعرا کی ہر دوسری تیسری غزل میں ہجر اور ہجر و وصال جیسے الفاظ مسلسل ملتے ہیں۔ یہ شاید ہجر و وصال کے فراواں مضامین کا اثر اور غلبہ ہے کہ ان کی ذہنی ساخت کا حصہ بن کر بار بار ان کی شاعری میں ابھرتے ہیں۔ حمزہ یعقوب کے ہاں معاملہ مختلف ہے کہ اس نے زیرِ بحث مجموعے میں ان الفاظ کو ایک ایک بار استعمال کیا ہے۔ البتہ ہجرت چار بار، محبت گیارہ بار اور عشق پانچ بار استعمال کیا ہے۔ مذہبی پس منظر کے حامل لوگ جتنے بھی باغی اور مذہب بیزار ہوں، ان پر اپنے آبائی ماحول کے اثرات تا عمر باقی رہتے ہیں۔ محبت کی کوئی روایتی اور جدید تعریف حمزہ کی شاعری میں موجود محبت کے جذبے پر پورا نہیں اترتی ہے۔ ویسے بھی کسی شاعر نے محبت کی تعریف کا تعین کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ محبت کیا ہے، کیوں ہے، کیسے ہے، اس کا ماخذ کیا ہے اور ہدف کیا ہے؟ اس کے بارے میں کم کم سوچا گیا ہے اور بہت کم بات کی گئی ہے۔ محبت

کی عام اور سادہ تعریف یہ کی جا سکتی ہے: محبت، حسن کی طرف جھکاؤ ہے جس کا حصول وفورِ بہجت ہے کیونکہ خدا خود خوبصورت ہے اور خوبصورتی سے محبت کرتا ہے۔ خوبصورتی انتزاعی ہے۔ اس کا پیمانہ بھی مقرر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ حمزہ کے نزدیک گگن منڈل پر سیج پیا کی سو وصال ناممکن ہے اور ہجر کو آہ نہیں بننے دیتا ہے۔ اسے کسی صنفی امتیاز کے بغیر خوبصورتی سے محبت ہے۔ اس محبت میں وصال و ہجر یکساں ٹھہرتے ہیں۔ گویا دجلے میں قطرہ اور قطرے میں دجلے کا منظر دیکھنے پر قادر ہو چکا ہے۔ اس محبت میں کسی جنسی رویے کی نشان دہی مشکل ہے۔ درج ذیل شعر میری بات کا اثبات ہے۔

میری نظر میں ہجر و وصال ایک جیسے ہیں
تم ہی کہو کہ اچھا ہوا یا برا ہوا

ممکن ہے اہلِ تصوف اسے معرفت وسلوک کی منزل قرار دیں لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ شعر کا خالق شاید ان منازل سے واقف نہیں۔ یہ محض گھر کی مذہبی فضا کے اثرات ہیں۔ اس مقام پر، اس بات کی صراحت کے لیے شاعر کی دیگر شاعری کا دلائل کے طور پر مطالعہ ضروری ہے۔ بعض دفعہ یوں ہوتا ہے کہ کوئی شخص سچائی کو معتبر اور درست ثابت کرنے کے لیے خدا کی ذاتِ گرامی کو بیچ میں لاتا ہے، یہی کام درج ذیل شعر میں ہے کہ ہجر و وصال یکساں کیوں ٹھہرتے ہیں:

اسلوب یقینا ہے جداگانہ خدا کا
پڑھتا ہوں تجھے جان کے افسانہ خدا کا

جہاں خدا کا ذکر درمیان میں آتا ہے، اس پر قسم جیسا اطلاق ہوتا ہے۔ اس سے صداقت کی تائید اور اس کا اعتبار مقصود ہوتا ہے۔ اس سے ایک طرح تقدس بھی قائم ہوتا ہے۔ خدا کا افسانہ یا تخلیق کہ کر یہی تقدس قائم کیا گیا ہے، جس سے ذہن میں حرص و ہوس کا شائبہ تک نہیں ابھرتا ہے۔ اکثر مقامات پر یہی مطہرانہ رویہ نظر آتا ہے، ظاہری و باطنی آلائش یا غرض جیسی بھی ہو، آدمی کی غرقابی کا

باعث بنتی ہے، حمزہ یعقوب خود کہتا ہے:

لے ڈوبتا ہے جسم سے پتھر بندھا ہوا

یہ وہ پتھر نہیں جس سے ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے بہ نکلتے ہیں بلکہ وہ اعمال ہیں جو آدمی کی بربادی کا باعث بنتے ہیں۔ علمائے مذہب کے فتوے دینے اور بعض مسائل کے فیصلے کرنے کے لیے خاص طرزِ استدلال استعمال کرتے ہیں، انہوں نے واقعات کی نظیریں اسلامی تاریخ، احادیث اور قرآن سے تلاش کر کے فتوے دیتے اور فیصلے کرتے ہیں یا کبھی اپنی بات کی تائید کے لیے قرآنی نصوص پیش کرتے ہیں، مناظرہ کے شوقین افراد کو علما کے براہینِ قاطع اور دلائلِ ساطع سننے کا تجربہ ضرور ہوا ہوگا، اسی قسم کے انداز اس شعر میں جھلکتے ہیں:

کیا ہو گیا دشمن کو اگر دل میں جگہ دی
الحاد کی آیت بھی تو قرآن میں آئی

دشمن کو دل میں جگہ دینے کے لیے دلیل خاص آیت کا قرآن میں آنے سے دینا، ایک خاص ذہنی رجحان کی دلالت کرتی ہے۔

درج بالا تمام باتوں کا مقصد حمزہ کی ذہنی وتخلیقی پس مناظر کو اجاگر کرنا تھا کہ کس طرح گھریلو ماحول اس کے لاشعور اور شعور میں ابھرا بھر کے اسے راست منہاج پر قائم رکھتا ہے۔ اس کی محبت کے سوتے ذہن اور دل سے پھوٹتے ہیں کسی جنسی کج روی کے تحت نہیں۔ اس کے ہاں محبت کا رویہ جنس زدہ نہیں ہے بلکہ خوبصورتی سے محبت ہے، یہی وجہ ہے اس کی شاعری میں ہجر اور وصال کے وہ ہوش ربا ہنگامے نہیں ہیں جو جنسی مریض اور مجلوق شعرا کے ہاں نظر آتے ہیں۔ درج بالا شعر کی خوبصورتی تشبیہات اور لف ونشر کے استعمال سے اور بڑھ گئی ہے۔ دشمن کو الحاد کی آیت سے اور دل کو قرآن سے تشبیہ بیش از بیش نادر ہے۔ صنعتِ تلمیح کا استعمال بہت عمدہ ہے۔ الحاد کی آیت کہ کر شاید سورہ فصلت کی اس آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا کی طرف اشارہ ہے جس میں ان لوگوں کی بات ہے جو قرآنی ایات کے بارے میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔

شاعری میں اسی قسم کے معتدل رویے کے حوالے سے اس کا ایک اور شعر ہے:

میں روتا ہوں مگر جذبات بے قابو نہیں ہوتے
ہوا چلتی تو ہے صحرا میں پر آہستہ آہستہ

اس شعر میں دلی و لکھنؤ کے ان شعرا جیسا رویہ نہیں ہے جن کے ہجر و وصال کے نوحوں کا مخرج استمنا بالدماغ ہوا کرتا تھا۔ یہ رویہ سادہ، معصوم اور ڈھیلے ڈھالے مذہبی آدمی کا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ حمزہ یعقوب کی شاعری میں ایک ماورائی، شائستہ وجود کا تصور ضرور ابھرتا ہے لیکن اس وجود کی جنس کا تعین ممکن نہیں ہے کہ خوبصورتی کسی جنس کی محتاج نہیں ہوا کرتی ہے۔ خوبصورتی کا نقیض عدم توازن، تکبر اور بے اعتدالیت ہیں۔ توازن، اعتدال اور عجز خود خوبصورت ہیں۔ یہی سب کچھ اس کی شاعری سے جھلکتا ہے۔ اس پیش لفظ کے آغاز میں کہیں یہ بتانے کی ضرورت تھی کہ حمزہ کے ہاں محبت اور محبوب کا تصور روایتی نہیں ہے۔ اس کا اظہار ایک نظم میں واضح طور پر کر چکا ہے۔

A New Defination of love کی پہلی سطر ہی اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے:

میں نے محبت کے تمام سانچے توڑ ڈالے

اس کی وجہ درج ذیل شعر میں بیان کرتا ہے۔

خوش آ گئی مجھے لہروں کی گفتگو شاید
یہ شور مجھ میں بڑا ارتکاز لے آیا

اس شعر کی خوبصورتی میں کوئی شک نہیں ہے۔ لہروں کی گفتگو لہریں بننے پھیلنے بڑھنے کا عمل ہے جو اتنا خوبصورت ہوتا ہے کہ ذی حس انسان کو متحیر و مدہوش کر دیتا ہے۔ لہر کبھی سیدھی نہیں ہوا کرتی ہے ہمیشہ قوس یا دائرے کی صورت میں ہوتی ہے۔ شاعری قوسیں بنانے اور ماضی کی دریافت کا عمل رہی ہے۔ یہ لہر کسی خارجی عمل سے پانی سے ابھر کر پانی میں ہی جذب ہو جاتی ہے۔ پہلے بات ہو چکی ہے کہ خوبصورتی یا حسن کی طرف جھکاو محبت یا عشق ہے، اسی خوبصورتی نے

شاعر کو جو ہنگامہ خیز اور سیماب صفت تھا، ایسا استوار کیا کہ اس میں چیزوں پر غور و فکر کرنے کی صلاحیت آ گئی ہے۔ ارتکاز کو گیان اور دھیان کی قوت بھی کہا جا سکتا ہے۔

حمزہ یعقوب کی شاعری احساسات کی تطہیر کرنے کے ساتھ ہمارے شعری ذوق کی تسکین بھی کرتی ہے۔ خیال اور احساس کی سطح پر ہمارے ذہن و دل اور جذبوں میں تحرک پیدا کرتی ہے ۔ یہ شاعری ہمارے ادراک و احساسات میں ہلچل پیدا کرتی ہے۔ منوں ٹنوں کے حساب سے ہونیوالی معنی گریز معاصر شاعری کے مقابلے میں حمزہ یعقوب کی شاعری کثیر المعنویت کی حامل اور اس شعری حبس نامے میں تازہ ہوا کا جھونکا ہے، ثبوت کے طور پر کچھ اشعار حاضر ہیں:

مجھے بتاؤ کسی آہ کا کرشمہ ہے
کہ لگ گیا مرے پنجرے کو زنگ ایسے ہی

بس ایک شب کے لیے آیا تھا سرائے میں
طویل ہوتا گیا خودبخود قیام اس کا
بہت زیادہ مماثل ہیں خال وخد اس کے
کوئی عزیز ہے شاید مہِ تمام اس کا

ذرا غلامی کا کچھ ذائقہ غلام بھی لے
اگر خرید لیا ہے تو مجھ سے کام بھی لے

جہاں میں ہوں یہاں پہلے بھی دفن تھا کوئی
رکھا ہے اور کسی کی لحد میں اس نے مجھے

ہر چیز پر ہے میری نظر کائنات میں
کرتا ہوں سیر شام و سحر کائنات میں
ترتیب مختلف ہے زمان و مکان کی
اجسام ایک جیسے ہیں ہر کائنات میں

خداوند کریم سے دعا ہے کہ اپنی اعلیٰ ترین مخلوق کے صدقے میں حمزہ یعقوب کے قلم کی توانائیوں جولانیوں کو مزید فراواں فرمائے۔آمین

توقیر عباس لاہور

25 جون 2023

مقدمہ

شاعری ایک تخفیفی (reductionist) عمل ہے کہ اس میں ہر لفظ ایک علامت (sign) کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور کم سے کم الفاظ میں پوری بات کہنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر کسی شعر میں موجود ہر لفظ اپنی موجودگی کا جواز پیش نہ کر سکے، تو اسے عروضی اعتبار سے تو شاید شعر تسلیم کر لیا جائے، لیکن شعری تنقید کے پیراڈائم (paradigm) میں کبھی مکمل شعر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

مابعد جدید عہد (postmodern era) میں جہاں زندگی گزارنے کے لیے آدمی کے پاس کوئی حتمی نظریہ (aboslute ideology) نہیں ہے اور ہر چیز تشکیک (doubt) کے دائرے میں بند ہے، وہاں شاعر کا یہ منصب بنتا ہے کہ وہ شعری منطق (poetic logic) کے تحت ابدی سچ (aboslute truth) کا متبادل (alternative) پیش کرے۔ یہ متبادل ضروری نہیں کہ زمانی سطح پر آفاقی (universal) ہو لیکن شاعر کی شعری کائنات (poetic world) کے تناظر میں اسے درست (valid) ضرور ہونا چاہیئے۔

متبادل سچ شاعر کی فکری تشکیل (intellectual construct) سے جنم لے کر اپنا الگ نظامِ کلام (discourse) قائم کرتا ہے تا کہ مابعد جدید آدمی (postmodern man) کا مقدمہ پیش کر سکے۔

مصنف کی موت اور معنی کے التواء نے متن (text) کی تعبیر کا فرض قاری کو سونپ دیا، چنانچہ پہلے سے فرض کر لیا جاتا ہے کہ قاری کو متن کی صنف (genre) کی روایت سے متعلق بنیادی سمجھ بوجھ (fore understanding) ہے، اگر ایسا نہ ہو تو متن کی قرات (reading) کا ماحصل (resultant) کچھ نہیں بچتا۔ شعری متون کی قرات کے دوران میں اس امر کا بھی دھیان رکھنا چاہیے کہ شعری متون وقت کے کسی ایک حصے سے جڑے ہوئے

(synchronized) نہیں ہوتے، بلکہ وہ شاعر کے حال، آئندہ، اور ماضی تینوں سے ایک ساتھ منسلک (associated) ہوتے ہیں۔ یہ انسلاک (association) بعض جگہوں پر ایک استبعادی صورتِ حال (paradoxical situation) پیدا کرتا ہے لیکن بنیادی سمجھ بوجھ (fore understanding) رکھنے والا کوئی بھی قاری اس صورت حال سے پریشان ہونے کے بجائے اس سے حظ اٹھاتا ہے۔

یہ شعری مجموعہ بھی ایک ایسے مابعد جدید آدمی کا مقدمہ ہے جو زندگی کی لایعنیت (meaninglessness) کا جواب روایتی منطق (traditional logic) کے بجائے شعری منطق (poetic logic) سے اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ روایتی منطق پہلے سے موجود کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے جہاں ہر چیز کروڑوں برس پرانی ہے اور تازگی (freshness) کا عمل کسی غیر دریافت شدہ شے کی دریافت سے منسلک ہونے کی وجہ سے عارضی (temporal) ہے جب کہ شعری منطق اپنے لیے ایک پورا نیا جہان وضع کرتی ہے جہاں ہر شے نئی ہے اور تازگی کے احساس سے مضمر ہے، یہ تازگی روایتی منطق کے برعکس ابدی (eternal) ہوتی ہے۔

لفظ مرکز (logocentrism) نظریے کی رو سے شعری تجربے کے احضار (presentation) کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنا کہ وہ شعری تجربہ، گو کہ مابعد جدیدیت اس نظریے سے اختلاف کرتی ہے اور اس کے برعکس معنی کے التواء (deferal of meaning) کا نظریہ پیش کرتی ہے، لیکن اس کے باوجود ردھم میں لکھی جانے والی تمام تر شاعری بالخصوص غزل میں ترتیبِ نغمہ (orchaestration) اور نغمگیت (musicality) کے عناصر اپنے شعری سیاق میں لفظ مرکز نظریے کی توثیق کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو غزل مابعد جدید آدمی کے اظہار کے لیے ایک مشکل صنف بن جاتی ہے۔

مابعد جدیدیت، آدمی کو اظہار کے لیے زبان کے پہلے سے طے شدہ ساختیاتی سانچوں (structural templates) کو توڑنے پر اکساتی ہے، اور اسی توڑ پھوڑ کے نتیجے میں گزشتہ کئی دہائیوں سے دنیا بھر میں نثری نظم کی صنف کو مقبولیت ملی ہے۔ تاہم اردو غزل کے ساتھ گزشتہ آٹھ برس کا عرصہ گزارنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اردو غزل بطور صنف اپنی ساخت کے حوالے سے غیر لچکدار (non-elastic) ضرور ہے لیکن مضمون اور اس کے اظہار کے لیے اتنی ہی وسیع (vast) ہے جتنی کہ نثری نظم۔ چونکہ مابعد جدیدیت ساخت شکن نظریہ ہے، اس لیے بیشتر مابعد جدید نقاد اور قارئین اردو غزل کی وسعت اور شعری اظہار کے کینوس کو سمجھنے سے پہلے اسے محض ساخت ہونے کی وجہ سے رد کر دیتے ہیں، لہذا آج تک اردو غزل اور نثری نظم کے شاعر، ناقد، اور قاری کے درمیان تنی ہوئی فضا قائم ہے۔

شعر، اظہار کی ایک جامع و مانع اکائی (precise unit) ہے، جس میں اسلوب (style) اور شعری بصیرت (poetic vision) کی مدد سے بے شمار نظامِ کلام (discourse) ترتیب دیے جا سکتے ہیں مثلاً بیانیہ نظام کلام (descriptive discourse)، تخیلاتی نظامِ کلام (speculative discourse)، تجربی نظامِ کلام (empirical discourse) وغیرہ وغیرہ۔ شعر جہاں شاعر کے اظہار کی ساخت پر پابندی لگاتا ہے، وہیں کم سے کم الفاظ میں اپنی بات کہنے کا سلیقہ بھی سکھاتا ہے۔ اردو میں اظہار کی جتنی بھی دیگر اصناف ہیں، ان کے مقابلے میں شعر ہی سب سے کم الفاظ میں اظہار کا موقع دیتا ہے، نثر یا دیگر شعری اصناف کے پاس یہ وصف موجود نہیں ہے، چنانچہ دیگر اصناف میں الفاظ کے غیر ضروری (unncessary) استعمال کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔

عصبی نفسیاتی سائنس (neuropsychological sciences) کے مطابق انسانی دماغ تخلیقی عمل میں نئے پن (originality) کے بجائے روانی (fluency) کو ترجیح دیتا ہے کیونکہ نئی بات سوچنے میں دماغ کی زیادہ قوت صرف ہوتی ہے، اس لیے ذہن پہلے سے بنے

ہوئے تخلیقی سانچوں میں روانی کے ساتھ اپنی تخلیقیت کا اظہار کرنے کو فوقیت دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال اردو غزل میں قافیہ پیمائی کی ہے کہ قافیہ اور ردیف کو ساتھ ملا کر جو پہلا خیال شاعر کے ذہن میں آتا ہے، وہ اسے وزن میں بیان کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس خود انعکاسیت (self reflexivity) اور اس کے تحت جنم لینے والے خیالات کے اظہار کے لیے نئے شعری سلیقے (poetic patterns) ڈھونڈنا مشکل تو ہے لیکن اس سے متن میں جو نیا پن پیدا ہوتا ہے اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ نئے شعری سلیقوں کی ایک مثال نئے تلازمے اور نئے استعاروں کی تلاش ہے جو بیک وقت اجنبیت، پراسراریت، اور تازگی سے مزین ہوتے ہیں۔

یہ کتاب ۲۰۱۵ء سے ۲۰۲۳ء تک لکھی جانے والی شاعری کا ایک انتخاب ہے، ان میں سے بیشتر غزلیات مارچ ۲۰۲۱ء کے بعد کہی گئی ہیں۔ مزید برآں تجربے کے طور پر غزلیات کے ساتھ ساتھ کچھ نثری نظمیں بھی اس کتاب میں شامل کی گئی ہیں جن میں سے بیشتر نثری نظموں کے تانے بانے یورپی تہذیب وثقافت میں پیش آنے والے واقعات سے بنے گئے ہیں۔ ایک آدھ نظم مثلاً ’کلاس فیلو‘، پاکستان کے گھٹن زدہ سماجی ماحول کے تناظر میں لکھی گئی ہے۔ یہ غزلیات اور نثری نظمیں اردو شاعری کی روایت میں کہاں تک کامیاب ہیں، اس کا فیصلہ آپ نے کرنا ہے، اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ع   گر قبول افتد زہے عز و شرف

حمزہ یعقوب

۱۷ جون، ۲۰۲۳ء

بداپیسٹ، ہنگری

Email: poethamzayaqub@gmail.com

Phone: +36205238912

اظہارِ تشکر!

میں شکرگزار ہوں سلیم نکانی، فیصل امام رضوی، یٰسین سالک، فرخ عدیل، توقیر عباس، ارشد عباس ذکی، راؤ آفتاب عارض، مبشر سعید، وقار خان، سلیم واقف، جمیل الرحمٰن، کاشف حسین غائر، قاسم یعقوب، آصف عباس طاہر، حسیب الحسن، سید ازور شیرازی، عرفان حیدر، شہباز حیدر، توقیر احمد، قاسم حیات، ڈاکٹر نوید خالد تارڑ، شاہ جہان سالف، سید مدثر، زوہیر عباس، ضیاء الرحمٰن، مومنہ، شائستہ، عذرا، سدرہ، تحریم، فاطمہ اور ڈیبورا کا کہ انہوں نے شعری سفر میں میری حوصلہ افزائی کی۔

چھونے سے پہلے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا
شاخ پر پھول تر و تازہ نہیں ہوتا تھا

مل تو لیتا تھا میں اک دن میں کئی لوگوں سے
پھر بھی تنہائی کا خمیازہ نہیں ہوتا تھا

نیند میں شور بہت کرتی تھیں یادیں اس کی
جاگنے پر کبھی آوازہ نہیں ہوتا تھا

چور رستوں سے ہی آتے تھے ہم اس کے دل میں
ایک بھی داخلی دروازہ نہیں ہوتا تھا

چوم کر سرخ کیا کرتا تھا میں گال اس کے
اور مرے پاس کوئی غازہ نہیں ہوتا تھا

نئے پرانے زمانوں سے ہو کے آتی ہے
شعاع دونوں جہانوں سے ہو کے آتی ہے

میں اس گلاب کو خود بھی کہیں نہیں پاتا
ہوا بھی سارے ٹھکانوں سے ہو کے آتی ہے

بہت سے گریہ و زاری کے نقش ہیں رُخ پر
یہ آبشار چٹانوں سے ہو کے آتی ہے

بدن بھی سنگ فروشوں سے مل کے آتا ہے
نگہ بھی آئنہ خانوں سے ہو کے آتی ہے

میں اس کی بات سمجھنے میں وقت لیتا ہوں
نجانے کتنی زبانوں سے ہو کے آتی ہے

سبز الگ کرتا ہے، پامال الگ کرتا ہے
اپنے عشاق وہ ہر سال الگ کرتا ہے

کچھ خدا سے بھی زیادہ نہیں بنتی میری
اور کچھ نامۂ اعمال الگ کرتا ہے

عشق ہو جائے بڑی عمر کی عورت سے اگر
چین الگ دیتا ہے، خوشحال الگ کرتا ہے

آئنہ بعد میں تصویر بناتا ہے کوئی
پہلے پہلے تو خد و خال الگ کرتا ہے

زخم دینے میں رعایت بھی نہیں دیتا وہ
بعد میں پرسشِ احوال الگ کرتا ہے

نگاہ بھر لو، پس و پیش ایک جیسے ہیں
ہمارے زخم کم و بیش ایک جیسے ہیں

مرے حساب سے دونوں کے پاس کچھ بھی نہیں
سگِ زمانہ و درویش ایک جیسے ہیں

دماغ دل کا طرف دار بن کے آتا ہے
تو کیا یہ دونوں بد اندیش ایک جیسے ہیں

وہی تنے ہوئے ابرو، وہی بھرا ہوا جسم
یہاں کے سارے ستم کیش ایک جیسے ہیں

فقط عوام کو گمراہ کر دیا گیا ہے
وگرنہ دھرتی کے سب دیش ایک جیسے ہیں

کثیف کچھ بھی نہیں ہے لطیف سب کچھ ہے
وہ اس لیے کہ غزل کی ردیف سب کچھ ہے

نشانہ بازی سے لے کر حصولِ رزقِ حلال
شکاری کے لیے اس کا حریف سب کچھ ہے

تمھیں ہی صرف لطافت دکھائی دیتی ہے
کہیں کہیں سے تو ورنہ کثیف سب کچھ ہے

ذہین ہونا اہم ہے حسین ہونے سے
مری نگاہ میں طبعِ ظریف سب کچھ ہے

نظر کا عیب ہے یا یہ کوئی حقیقت ہے
میں بوڑھا ہوں کہ یہاں پر نحیف سب کچھ ہے

کسی نے پھینکے تھے اس سمت سنگ ایسے ہی
شروع ہو گئی دنیا سے جنگ ایسے ہی

پتہ بھی ہے کہ مری دسترس میں کچھ بھی نہیں
میں پیدا کرتا ہوں دل میں امنگ ایسے ہی

وہ کام اچھا ہے جو وقت پر کیا جائے
پسند تھوڑی ہے وہ بے درنگ ایسے ہی

نشانہ ملتا نہیں ہے کسی سپاہی کو
چلاتے رہتے ہیں تیر و تفنگ ایسے ہی

پلٹ کے آیا تو میرا وطن میں کوئی نہ تھا
میں کاٹتا رہا قیدِ فرنگ ایسے ہی

مجھے بتاؤ کسی آہ کا کرشمہ ہے
کہ لگ گیا مرے پنجرے کو زنگ ایسے ہی

تلاش کرنے دو سب کل کی خوبیاں اس کو
الگ الگ نہ کرو انگ انگ ایسے ہی

گمان ہوتا ہے دشمن کے جیت جانے کا
شکست ہوتی ہے تیمور لنگ ایسے ہی

میں آگے بڑھ کے گلے سے لگا رہا تھا تجھے
چبھو دیا مرے ہاتھوں میں ڈنگ ایسے ہی

ہمیں جواز نہیں چاہیے کسی شے کا
دھمال ڈالتے ہیں ہم ملنگ ایسے ہی

خبر نہیں ہے مجھے کیا پسند ہے اس کو
خرید لایا ہوں تحفے میں ونگ ایسے ہی

کوئی اصول و ضوابط نہیں بتاؤ مجھے
میں سیکھ جاؤں گا جینے کا ڈھنگ ایسے ہی

مجھے پتہ ہی نہیں تھا کہ وہ بھی عریاں ہے
چھپاتا رہتا تھا دنیا سے ننگ ایسے ہی

خدا بھی اصل میں حمزہ کوئی مصور ہے
جو پھینک دیتا ہے پھولوں پہ رنگ ایسے ہی

ستارہ کش ہوں ذرا گال دیکھنے دے مجھے
کسی بہانے خد و خال دیکھنے دے مجھے

یہ میری پہلی ملاقات ہی تو ہے ترے ساتھ
زیادہ کچھ نہیں، فی الحال دیکھنے دے مجھے

تجھے میں چھوڑ کے جانے کا تھوڑی کہتا ہوں
بس اتنا کہتا ہوں کچھ سال دیکھنے دے مجھے

یہ جتنے زخم بھی ہیں صرف روح پر نہ لگا
مرے بدن کو بھی پامال دیکھنے دے مجھے

میں نفسیات بتا دوں گا اگلے داؤ کی
تو بس عدو کی یہی چال دیکھنے دے مجھے

کوئی بھی فیصلہ کرنے میں اتنی عجلت کیوں
سکوں سے نامۂ اعمال دیکھنے دے مجھے

جو مجھ کو چھوڑ گئیں تنگ دامنی کے سبب
ان عورتوں کو بھی خوشحال دیکھنے دے مجھے

دوبارہ دل میں اترنے کی ضد نہیں کروں گا
بس ایک بار یہ پاتال دیکھنے دے مجھے

میں یوں بھی غیبی اشاروں کو رد نہیں کرتا
خرید لوں گا مگر فال دیکھنے دے مجھے

ہمیشہ کوئی نہ کوئی جواز لے آیا
یہاں تلک مجھے تیرا لحاظ لے آیا

خوش آ گئی مجھے لہروں کی گفتگو شاید
یہ شور مجھ میں بڑا ارتکاز لے آیا

نہ پوچھا عشق کا مطلب کسی بھی عاشق سے
وہ سب کو دل میں بلا امتیاز لے آیا

کھنچاؤ نے ہی بدل لی کشش کی شکل اک دن
ہمیں قریب یہی احتراز لے آیا

مفاہمت سے جدا ہونا چاہیے تھا ہمیں
تو سب کے سامنے راز و نیاز لے آیا

مجھے درشت طبیعت بھی عشق نے دی تھی
پھر ایک دن یہی سوز و گداز لے آیا

دکھا دکھا کے بھی یہ زخم بھر نہیں پائے
میں روز ایک نیا چارہ ساز لے آیا

مقابلے کے لیے لے رہا ہے نام اس کا
ترے لیے تو بہت ہے یہی غلام اس کا

اسے خرید کے لانے کی کیا ضرورت تھی
تجھے پتہ ہی نہیں تھا اگر مقام اس کا

ہر ایک چیز کی ترتیب پوری ہوتی ہے
ادھورا ہوتا نہیں ہے کوئی بھی کام اس کا

میں جس طرح اسے مسمار کر کے آیا ہوں
زمانہ دیکھنے آئے گا انہدام اس کا

وہ جنگ جیت کے سب کو معاف کرتا ہے
یہی تو ہوتا ہے دشمن سے انتقام اس کا

شروع دن سے وہ جس راستے پہ چل رہا تھا
میں جانتا تھا یہی ہو گا اختتام اس کا

بس ایک شب کے لیے آیا تھا سرائے میں
طویل ہوتا گیا خودبخود قیام اس کا

تمام رات اکٹھے گزارتے تھے کبھی
خیال تک نہیں آتا اب ایک شام اس کا

بہت زیادہ مماثل ہیں خال و خد اس کے
کوئی عزیز ہے شاید مہِ تمام اس کا

ذرا غلامی کا کچھ ذائقہ غلام بھی لے
اگر خرید لیا ہے تو مجھ سے کام بھی لے

نہیں قبول خموشی سے نامۂ اعمال
فرشتہ اپنی زباں سے ہمارا نام بھی لے

پرکھنا پڑتا ہے دنیا کو اس کے حلیے سے
تو گھڑ سوار ہے تو ہاتھ میں لگام بھی لے

کبھی زمین کی گردش پہ اعتبار نہ کر
گرا رہا ہے تو گرنے سے پہلے تھام بھی لے

ہزار ناز سے تو نے یہ دل تو لے ہی لیا
اب اپنے ہاتھ میں دنیا کا انتظام بھی لے

شعاع اسی کی ہے جس نے اندھیرا دیکھا ہے
سکوت بھی تجھے دوں گا مگر کلام بھی لے

قریب رہ کے جو تعمیر کرتا رہتا تھا
بچھڑ رہا ہوں تو اب میرا انہدام بھی لے

معافی جنس کی بنیاد پر نہیں ملتی
غلط کیا ہے تو عورت سے انتقام بھی لے

کائناتوں کے مابین کب سے سفر کر رہا ہوں مگر مجھ کو افسوس ہے آج تک بھی کہیں
سے خدا کا کوئی اک اشارہ، کوئی اک نشاں ڈھونڈنے میں مجھے کامیابی نہیں مل سکی
اک فرشتے نے دیکھا تو آ کر تسلی دی اور یہ کہا تو اکیلا ہی ناکام تھوڑی ہے تیرے
علاوہ بھی کون و مکاں میں ہزاروں مہم جو ہیں جن کو کسی دل کی چابی نہیں مل سکی

ہم سفر کون تھا جو ترے اور مرے بیچ پردے کی صورت میں حائل تھا، ہم آج بھی پہلے دن
کی طرح آمنے سامنے ہیں مگر پھر بھی اک دوسرے کے خدو خال سے اجنبی ہی تو ہیں
میں نے اس بار بھی تیرے جلنے سے لے کر مری آنکھ تک تجھ ستارے سے آتی ہوئی
سب شعاعیں پہنچنے کا پورا عمل غور سے دیکھا لیکن کسی بھی جگہ پر خرابی نہیں مل سکی

آئینوں سے بنی ایک دیوار ہے جس سے ٹکرا کے ہر قسم کی روشنی اپنے اطراف میں
پھیل جاتی ہے ، کتنی ہی کرنیں یہاں روز آتی ہیں اور منعکس ہو کے تحلیل ہو جاتی ہیں
اس کے دل تک پہنچنے کو بے تاب عشاق تو سینکڑوں تھے مگر سب ہی ناکام ہو کر پلٹ
آئے ہیں ، میں بہت خوش ہوں یہ جان کر تم اکیلے نہیں ہو جسے باریابی نہیں مل سکی

شاعری اور شہرت الگ بھی نہیں، ایک شے بھی نہیں، سادہ کاغذ پہ جیسے کسی خوشنما پھول کی
کوئی تصویر ہے جس کے چھ رخ ہیں اور صرف اک رخ ہی ناظر کی آنکھوں میں رہ جاتا ہے
میرے جیسے کئی شاعر آہستہ آہستہ منظر سے ہٹتے گئے، وقت کی گرد کے نیچے دبتے
گئے، کیونکہ ان کو کہیں اپنی تشہیر کرنے کی خاطر مناسب سی لابی نہیں مل سکی

رد ہونا اک طرح کی پذیرائی ہی تو ہے
یہ شاعری مبالغہ آرائی ہی تو ہے

اچھا ہوا کہ اس نے مجھے چھوڑ ہی دیا
درکار ویسے بھی مجھے تنہائی ہی تو ہے

رکھتا ہوں پھونک پھونک کے اس آگ میں قدم
سب کچھ مرے لیے مری بینائی ہی تو ہے

پیغام چند لہروں کا ٹکراؤ ہی تو تھا
خاموشی اپنی اصل میں گویائی ہی تو ہے

پکڑے گئے ہیں سارے گنہگار یہ الگ
نیکی بھی ورنہ حاشیہ آرائی ہی تو ہے

یہی بہت ہے کہ دنیا کے رد میں اس نے مجھے
قبول کر تو لیا ہے حسد میں اس نے مجھے

جہاں میں ہوں یہاں پہلے بھی دفن تھا کوئی
رکھا ہے اور کسی کی لحد میں اس نے مجھے

مجھے پتہ نہ چلا آج تک کہ کون ہوں میں
شمار ہی نہ کیا نیک و بد میں اس نے مجھے

بھلا میں کون سے حملے میں مارا جاؤں گا
کہاں بلایا ہے اپنی مدد میں اس نے مجھے

جواب صفر سے آگے نہیں بڑھا میرا
ہزار جمع کیا اک عدد میں اس نے مجھے

میں جا چکا ہوں شباہت مری نہیں جاتی
رکھا ہوا ہے کہیں خال و خد میں اس نے مجھے

جدا کیا بھی تو بس صرف نام کی حد تک
رہائی دی بھی تو پنجرے کی حد میں اس نے مجھے

دماغ اپنی طرف کھینچتا رہا لیکن
روانہ کر دیا دل کی رسد میں اس نے مجھے

سکھ کا سراغ بھی مجھے افتاد سے ملا
دیوار گر گئی تو میں بنیاد سے ملا

میرا جنون میرا کمایا ہوا نہیں
یہ وصف تو مجھے مرے اجداد سے ملا

آگے بھی اپنی مرضی سے کرتے تھے فیصلے
یہ پہلا دکھ نہیں ہے جو اولاد سے ملا

کیا واقعی میں وہ مرا اپنا ہی عکس تھا
یا آئینے میں میں کسی ہمزاد سے ملا

اظہار ہو گیا تو مری آہ تھم گئی
یہ فائدہ مجھے مری فریاد سے ملا

کمرے میں ایک تیز مہک پھیل سی گئی
کیا کچھ نہیں تھا جو مجھے اک یاد سے ملا

آخر میں اس پہ گنتی کے معنی بھی کھل گئے
میرا پتہ اسے مرے اعداد سے ملا

نیکی کی راہ مجھ کو گناہوں سے مل گئی
مذہب کا راستہ اسے الحاد سے ملا

غالب نہیں تو میر تقی میر ہی سہی
جو کچھ مجھے ملا کسی استاد سے ملا

گھڑی کی سوئی سمے کے سفر میں رہ گئی تھی
ہماری شام کسی دوپہر میں رہ گئی تھی

ازل سے میری تلاش و خراش کر رہا ہے
کوئی کمی تھی جو اس کی نظر میں رہ گئی تھی

تری تلاش میں کچھ لوگ خاک ہو گئے تھے
اور ان کی خاک تری رہ گزر میں رہ گئی تھی

مری طرف سے نہ دل صاف ہو سکا اس کا
جو بات بیج میں تھی وہ شجر میں رہ گئی تھی

کوئی بھی غم مری بنیاد تک نہیں پہنچا
مری شکستگی دیوار و در میں رہ گئی تھی

(شاہد ماکلی کے نام)

ہر چیز پر ہے میری نظر کائنات میں
کرتا ہوں سیر شام و سحر کائنات میں

ترتیب مختلف ہے زمان و مکان کی
اجسام ایک جیسے ہیں ہر کائنات میں

رہ رہ کے اس کو ڈھونڈتی پھرتی ہے روشنی
گم ہو گیا ہے ایک بشر کائنات میں

واپس اگر میں لوٹ کے آؤں تو کس لیے
کرنے کو کیا ہے بارِ دگر کائنات میں

ویسے بھی میری زندگی کل چار دن کی ہے
دو دن تو کر چکا ہوں بسر کائنات میں

باہر ضرور نکلو مگر احتیاط سے
ٹکراتے پھر رہے ہیں شرر کائنات میں

ہر چیز مجھ کو اپنی طرف کھینچتی رہی
آسان تو نہیں تھا سفر کائنات میں

پہلی نہیں تو دوسری عورت سے عشق کر
کم تو نہیں سیاہ بھنور کائنات میں

میں تو اسی ستارے پہ رہتا ہوں آج کل
تو گھوم پھر رہا ہے کدھر کائنات میں

کچھ بھی نہیں تو بیٹھے ہو کس کی امید پر
اور ہے تو کیا ہے پیشِ نظر کائنات میں

میرے لیے کوئی بھی جگہ اجنبی نہیں
میں ڈھونڈ لوں گا راہ گزر کائنات میں

آخر میں بے گھری سے بھی دل بھر گیا مرا
اب لے ہی لوں گا میں کہیں گھر کائنات میں

❁

نہ امن اور نہ مسائل کے حل میں ہوتا ہے
ہمارا فائدہ جنگ و جدل میں ہوتا ہے

کسی بھی کام میں مجھ سے پہل نہیں ہوتی
مجھے تو پیار بھی ردِ عمل میں ہوتا ہے

ہزاروں سال بھی ٹھہرو تو کچھ نہیں ہو گا
جو کام ہونا ہو وہ ایک پل میں ہوتا ہے

وگرنہ اصل میں ہم دونوں ایک جیسے ہیں
یہ اختلاف تو رد و بدل میں ہوتا ہے

یہ خاندان کی پہلی لڑائی تھوڑی ہے
مجھے پتہ ہے جو جنگِ جمل میں ہوتا ہے

میں اس کے سامنے اک لفظ بھی نہیں کہتا
مرا مکالمہ اس سے غزل میں ہوتا ہے

کبھی کبھار میں جھولا بھی جھول لیتا ہوں
مگر جو لطف درختوں کے پھل میں ہوتا ہے

لڑائی میں تو سپاہی ہی مارے جاتے ہیں
کہ بادشاہ تو اپنے محل میں ہوتا ہے

تمھاری آنکھ سے دل تک پہنچ کے دیکھ لیا
وہ فاصلہ جو ابد اور ازل میں ہوتا ہے

محبتوں میں تو نیندیں نہیں اڑا کرتیں
یہ حال صرف دماغی خلل میں ہوتا ہے

جو کر رہے ہیں ان کی مدد کر کے دیکھ لیں
چاہیں تو آپ بھی مجھے رد کر کے دیکھ لیں

جب اعتراف کرنے سے کچھ بھی نہیں ہوا
پھر تھوڑی دیر مجھ سے حسد کر کے دیکھ لیں

میں دیکھتا ہوں پوری توجہ سے آپ کو
اب آپ بے نیازی کی حد کر کے دیکھ لیں

اونچائی اور کچھ نہیں پستی کی شکل ہے
میں جھوٹ کہہ رہا ہوں تو قد کر کے دیکھ لیں

دنیا ہمارے دام سے باہر کی چیز ہے
جو نیک کام کرتے ہیں بد کر کے دیکھ لیں

سایہ نظر نہ آئے تو قد ڈھونڈتا ہوں میں
پر پھڑ پھڑا کے پنجرے کی حد ڈھونڈتا ہوں میں

تیرے لیے تو سینکڑوں دل دستیاب ہیں
اپنے لیے اک آدھ لحد ڈھونڈتا ہوں میں

معلوم لے کے جاتا ہے معدوم کی طرف
اس کی ہر ایک بات کا رد ڈھونڈتا ہوں میں

دشمن کو تھوڑی دیر ذرا اور روک لو
اتنے میں اور کہیں سے مدد ڈھونڈتا ہوں میں

گل سوچتے ہیں مجھ کو مہک کی تلاش ہے
حاسد کو لگ رہا ہے حسد ڈھونڈتا ہوں میں

دل لگی کی تھی محبت نہیں کی تھی میں نے
کی تھی تو حسبِ روایت نہیں کی تھی میں نے

سچ تو یہ ہے کہ میں اس دل سے نکالا گیا تھا
اپنی مرضی سے تو ہجرت نہیں کی تھی میں نے

انتقام اس سے بھی دھوکے کا لیا تھا پورا
خود سے بھی کوئی رعایت نہیں کی تھی میں نے

دکھ تو یہ ہے کہ وہ سننے کے لیے راضی تھا
اور اس وقت بھی ہمت نہیں کی تھی میں نے

خود ہی سیکھے تھے سخن کے سبھی اسرار و رموز
کسی استاد کی عزت نہیں کی تھی میں نے

زندگی بھر کسی کوتاہی کا افسوس رہا
ایک دن اس کی حفاظت نہیں کی تھی میں نے

باغ کا باغ اسے سونپ دیا تھا حمزہ
پھول تک چننے کی زحمت نہیں کی تھی میں نے

زندگی پوری سہولت نہیں دیتی تھی مجھے
آنکھ دیتی تھی، بصارت نہیں دیتی تھی مجھے

روشنی بن کے ترے ساتھ میں چل تو لیتا
میری رفتار اجازت نہیں دیتی تھی مجھے

میں ہی خاموشی سے ہر بات سمجھ لیتا تھا
وہ کسی شے کی وضاحت نہیں دیتی تھی مجھے

خود بخود بھرتا چلا جاتا تھا اندر کا خلا
کون سی چیز وہ عورت نہیں دیتی تھی مجھے

میں بھی جلنے کے لیے اس کے قریب آتا تھا
آگ بھی کوئی رعایت نہیں دیتی تھی مجھے

شعر کہہ کر بھی میں خاموش رہا کرتا تھا
داد تک میری طبیعت نہیں دیتی تھی مجھے

بات میں جتنے بھی ابہام تھے، رد کرتا تھا
پھول ابلاغ میں عاشق کی مدد کرتا تھا

اتنے کم ظرف پرندے تو نہیں ہو سکتے
آدمی تھا جو درختوں سے حسد کرتا تھا

خوش مزاجی کے سبب لوگ مجھے جانتے ہیں
میں کبھی گریہ و زاری کی بھی حد کرتا تھا

ایک ہی دن میں جڑیں سوکھ گئی ہیں میری
کون اس تھور زدہ مٹی میں قد کرتا تھا

کائنات ایک توازن میں کھڑی رہتی تھی
نیک جو کام نہ کرتے تھے، وہ بد کرتا تھا

❖

نہ احترام نہ دل سے ادب کا ہوتا ہے
ہمیشہ مسئلہ نام و نسب کا ہوتا ہے

مقامی شے پہ کسی کو بھی اعتبار نہیں
ہمارا مولوی تک بھی عرب کا ہوتا ہے

زیادہ فرق نہیں دہریوں میں اور ہم میں
کوئی نہ کوئی عقیدہ تو سب کا ہوتا ہے

تلاش مجھ کو بھی رہتی ہے اک بہانے کی
اور انتظار اسے بھی سبب کا ہوتا ہے

دلاسہ دے کے یہی چپ کرا دیا گیا ہوں
کہ جو بھی فیصلہ ہوتا ہے رب کا ہوتا ہے

زیادہ عمر نہیں ہے کسی پتنگے کی
ہمارا کھیل فقط ایک شب کا ہوتا ہے

تمھاری مرضی محبت کہو اسے کہ ہوس
ہمارے دل میں تو جذبہ طلب کا ہوتا ہے

حقیر چیز کبھی خاک میں نہیں ملتی
یہ حال صرف کسی منتخب کا ہوتا ہے

(ضیاء الرحمٰن کے نام)

جن دنوں بے سر و سامان نہیں ہوتے تھے
ہم سہولت سے پریشان نہیں ہوتے تھے

تو ہمیں پا کے بھی ہر چیز پہ شک کرتا تھا
ہم تجھے کھو کے بھی حیران نہیں ہوتے تھے

عورتیں اپنے دلوں میں ہمیں رکھ لیتی تھیں
اگلے وقتوں میں یہ زندان نہیں ہوتے تھے

ایک دل جس میں کوئی شخص نہیں رہتا تھا
ایک جنگل جہاں حیوان نہیں ہوتے تھے

تو اسی وقت مرے سامنے آ جاتا تھا
جب ترے آنے کے امکان نہیں ہوتے تھے

یہ کوئی پہلا سفر تو نہیں حمزہ میرا
راستے اتنے بھی ویران نہیں ہوتے تھے

(ادریس بابر کے نام)

ٹکرانے سے جو آگ اٹھی تھی، اسی کا ہو
شاید کہیں پہ نقش تری روشنی کا ہو

لاکھوں طرح کی زندگی آباد ہے یہاں
ہر مسئلہ ضروری نہیں آدمی کا ہو

ناگاہ اس بدن سے لپٹتا ہوں بار بار
شاید یہی علاج مری بے کلی کا ہو

ہر چیز سے زیادہ ہے نسبت کی اہمیت
پتھر بھی کوئی مارے تو اس کی گلی کا ہو

شرکت ضروری ہوتی ہے تکمیل کے لیے
میں بھی کسی کا ہو گیا تو بھی کسی کا ہو

ساقی گری تو آتی ہے سب کو بقدرِ ظرف
ہونا ہے امتحان تو پھر دلبری کا ہو

(کاشف مجید کی نذر)

کہاں چراغ کو مسمار کرنے آتی ہے
ہوا تو بس اسے بیدار کرنے آتی ہے

ہم ایک داؤ میں ہر چیز ہار سکتے ہیں
خزاں شجر کو خبردار کرنے آتی ہے

میں روز خواب میں ہوتا ہوں ڈوبنے کے قریب
کہ ایک لہر مجھے پار کرنے آتی ہے

ستارہ اپنی زباں سے تو کچھ نہیں کہتا
بس اس کی روشنی اظہار کرنے آتی ہے

میں اس کے قرب میں رہ کر بہت چھلکتا ہوں
اور اس کی یاد بھی سرشار کرنے آتی ہے

چند پیوند جیسے ستارے ہیں اور خاک ہے
آسماں کا گریبان میری طرح چاک ہے

تم مجھے دھوکہ دو گی، کوئی دھوکہ دے گا تمھیں
ہر درندہ کسی اور درندے کی خوراک ہے

دل تو ٹوٹا ہے لیکن مکینوں کو خطرہ نہیں
ڈوبنے والی کشتی کا ملاح تیراک ہے

میں دکھی ہوں کہ میں ساری دنیا سے لاعلم ہوں
کیا وہ خوش ہے جسے اپنے ہونے کا ادراک ہے

غار سے بھاگنے والی یادیں ابھی سبز ہیں
آدمی کو پتہ ہے کہ وہ کتنا بے باک ہے

ہم بچھڑ کر پریشان بھی تھے، بہت خوش بھی تھے
زہر اک شکل میں موت ہے، اک میں تریاق ہے

جانور بھاگ سکتے ہیں بھاگیں، شجر چپ رہیں
آ رہا ہے کوئی جس کے ہاتھوں میں چقماق ہے

سبھی کا کوئی نہ کوئی سہارا ہوتا ہے
جہاں زباں نہیں ہوتی اشارا ہوتا ہے

شروع دن سے چمکتا ہوں اپنی دنیا میں
ستارا چھوٹا بھی ہو تو ستارا ہوتا ہے

تمام لوگ یہاں خود کشی نہیں کرتے
کسی کسی کو خدا کا سہارا ہوتا ہے

خصوصیت کا تعلق ہے شے کی ہیئت سے
بھلا زمیں کا بھی کوئی کنارا ہوتا ہے

اکیلے تم نہیں ناکام دل کے پرچے میں
یہ امتحان تو سب کا دوبارہ ہوتا ہے

تجھے شکست ترے دوست کی مدد سے دی
درخت کے لیے لکڑی کا آرا ہوتا ہے

ہم اس کی آنکھ سے پاؤں تک آ گئے حمزہ
کھلا کہ سارا سمندر ہی کھارا ہوتا ہے

کون سی شے نہیں پگھلے گی تپش سے میری
روشنی راہ بدلتی ہے کشش سے میری

آئنہ عکس نہیں دیکھ سکے گا اپنا
تو بتا، کیا نظر آتا ہے روش سے میری

مٹ گئے سب کے لیے معنی و حسن و امید
مختلف کچھ بھی نہیں تیری خلش سے میری

چھوڑنا پڑ گیا اک روز مرا دل اس کو
کم نکل آئی کشش ردِ کشش سے میری

نفع تو خیر مجھے پہلے بھی کیا چاہیے تھا
پر جو نقصان ہوا، داد و دہش سے میری

ہمیشہ کی طرح حیران کر دیا اس نے
ہمارے دل کو بھی ویران کر دیا اس نے

تو پہلے صلح و صفائی پہ غور کر لیتا
کہ اب تو جنگ کا اعلان کر دیا اس نے

گلے لگا کے وہ پیشانی چوم لی میں نے
اور اگلا مرحلہ آسان کر دیا اس نے

تمہارا ہاتھ پکڑ کر تو زندگی بخشی
ہماری موت کا سامان کر دیا اس نے

عجیب دکھ ہے میں جس کی نظر میں ملحد تھا
خدا کے نام پہ قربان کر دیا اس نے

شروع ہونے کا مطلب ہی اختتام نہ ہو
مری شکست کہیں تجھ سے انتقام نہ ہو

انا زیادہ ضروری ہے سانس کی نسبت
سپاہی مرتا ہے مر جائے پر غلام نہ ہو

شناخت سب سے بڑا نفسیاتی مسئلہ ہے
میں چاہتا ہوں کسی شے کا کوئی نام نہ ہو

ابھی تلک وہ مری آنکھ سے نہیں نکلا
نئے شکاری کی جنگل میں پہلی شام نہ ہو

ہمیشہ ٹھہری ہوئی شے نشانہ بنتی ہے
خیال رکھنا کہ رہ میں کہیں قیام نہ ہو

سگِ زمانہ سلیقے سے عاری ہے حمزہ
سخن وری کسی درویش کا ہی کام نہ ہو

زمیں کے قبلہ نماؤں کو پچھلی مرتبہ آزما لیا تھا
اسی لیے اس سفر میں قطبی ستارے سے مشورہ لیا تھا

ہماری دنیا میں جتنی چیزیں تھیں سب کی ہئیت بدل گئی تھی
خزاں کی رت میں کسی نے شاید بہار کا گیت گا لیا تھا

میں جانتا ہوں کہ اس کے ہونٹوں پہ کیا ہے اور اس کے دل میں کیا ہے
کہ میں نے اصلی متون پڑھنے کے بعد ہی ترجمہ لیا تھا

تمھارے کہنے پہ اپنے چہرے سے اس نے زلفیں ہٹا تو لی تھیں
مگر بتاؤ کہ بھینٹ میں اس چراغ نے تم سے کیا لیا تھا

میں ہنستے ہنستے تمھاری آنکھوں کے سامنے خودکشی کروں گا
تمھیں پتہ تو چلے کہ میں نے سکون کا بھید پا لیا تھا

پتھر پانی ہو جاتے تھے دیوار نظر نہیں آتی تھی
میں مرد تھا اور مجھے عورت دشوار نظر نہیں آتی تھی

جس آنکھ میں پاؤں رکھتا تھا زندان میں جا کر کھلتی تھی
چاقو تو نظر آ جاتا تھا پر دھار نظر نہیں آتی تھی

لذت کی طلب اس دنیا میں نفع و نقصان سے آگے ہے
شہزادی دیکھنے والوں کو تلوار نظر نہیں آتی تھی

ہم ایسی جگہ پر رہتے تھے جہاں وقت بھی ساکن ہوتا تھا
آواز تو کیا ہمیں روشنی کی رفتار نظر نہیں آتی تھی

اس عورت نے دل کا کہہ کر مجھے ایسی جگہ پر قید کیا
دنیا کے کسی بھی نقشے میں وہ غار نظر نہیں آتی تھی

میں پیڑ سے لے کر پتھر تک ہر شے کی قیمت جانتا تھا
دنیا کی کوئی بھی چیز مجھے بیکار نظر نہیں آتی تھی

❖

معنی کی قید ہے نہ کوئی اور حساب ہے
میری لغت میں دل سے مراد اضطراب ہے

میں پڑھ چکا ہوں باقی جہاں کے علوم بھی
عورت مرے مزاج کی پہلی کتاب ہے

نیلی اگر ہیں آنکھیں تو انگور سرخ ہیں
ہر قسم کی شراب یہاں دستیاب ہے

پوچھو اگر چراغ سے یہ کام ہو سکے
ورنہ مری نگاہ میں اک آفتاب ہے

زلفوں کو ٹھیک کرنے کی کوشش نہ کیجیے
یہ کائنات روزِ ازل سے خراب ہے

تیزاب گر رہا ہے زمان و مکان پر
بارش نہیں ہے یہ تو خدا کا عذاب ہے

جھیل کی سطح پہ پھیلی ہوئی کائی سے ہوا
مجھے اندازہ تری خالی کلائی سے ہوا

چھوٹے زندان سے نکلا تو بڑے میں پہنچا
ہر نئی قید کا آغاز رہائی سے ہوا

مشکلیں ہی مری آسانی کا باعث ٹھہریں
راستہ طے ہی مری آبلہ پائی سے ہوا

فاصلوں نے ہمیں احساسِ تقرب بخشا
وصل سے جو نہیں ہوتا تھا، جدائی سے ہوا

دل میں رہنے کے لیے آنکھ میں رہنا سیکھا
دین کا کام بھی دنیا کی رسائی سے ہوا

نئے بدن نئی عورت سے مل کے آیا ہے
ہنسی خوشی کوئی عورت سے مل کے آیا ہے

میں کم سنی میں بھی ہر شے پہ صبر کرتا ہوں
یہ تجربہ بڑی عورت سے مل کے آیا ہے

پرانے زخم ابھی ٹھیک سے بھرے نہیں ہیں
اور آج پھر کسی عورت سے مل کے آیا ہے

جو اضطراب میں رکھتی تھی آئے دن مجھ کو
سکون بھی اسی عورت سے مل کے آیا ہے

زیادہ کچھ نہیں دنیا میں رنگ و بو کا سبب
بس ایک آدمی عورت سے مل کے آیا ہے

رفتار جتنی تیز رکھو کوئی حد نہیں
میں روشنی ہوں مجھ کو کسی سے حسد نہیں

جب تو نہیں تھا تب بھی کئی لوگ دل میں تھے
یہ صفر کائنات کا پہلا عدد نہیں

انسان اپنی جنگ کا خود فیصلہ کریں
خوشنودی چاہتا ہوں خدا کی ، مدد نہیں

منطق سے تیز ہوتی ہے حسِ جمالیات
میرے کیے ہوئے کسی دعوے کا رد نہیں

گھبرا کے کیمرے کی طرف دیکھتا ہے کیا
تصویر کھینچ لے گا، ترے خال و خد نہیں

شاید موازنے سے کوئی راز کھل سکے
ایسے تو کوئی نیک نہیں، کوئی بد نہیں

کچھ جانتے تھے، کچھ بھی نہیں جانتے تھے جب
ان پڑھ ضرور ہوتے تھے ہم، نابلد نہیں

آزاد رہنے والوں کی خاطر بھرا جہان
محصور ہونے والوں کی کوئی رسد نہیں

جتنا کشش کا جادو تھا، سارا خلا کا تھا
آنکھیں نہیں تھیں، پہلا کنارا خلا کا تھا

دنیا کو اس کی اپنی کثافت ڈبو گئی
میں بچ گیا کہ مجھ کو سہارا خلا کا تھا

لاکھوں طرح کے معنی تھے خالی سلیٹ کے
ہر شے سے دلفریب نظارا خلا کا تھا

طے تھا ہمارے دل کی عمارت کا ٹوٹنا
اینٹیں زمین کی تھیں تو گارا خلا کا تھا

دنیا کے سب چراغ لگے تھے قطار میں
رستہ دکھانے والا ستارا خلا کا تھا

آنسو گرے تو دل کو تسلی سی ہو گئی
سیارے خوش تھے کیونکہ خسارا خلا کا تھا

نام و نسب کی دنیا میں کچھ اہمیت نہیں
ورنہ تو میں بھی راج دلارا خلا کا تھا

ٹھنڈک سے جمنے والی صدائیں زمیں کی تھیں
غصے سے کھولتا ہوا پارا خلا کا تھا

حمزہ جگہ کے سارے مباحث فضول ہیں
جھگڑا ہی جب ہمارا تمھارا خلا کا تھا

کسی سے جنگ کسی سے جہاد چاہتے ہیں
خدا کے نام پہ کیا کیا فساد چاہتے ہیں

یہ گدھ نہیں یہ مرے خاندان والے ہیں
یہ میرا گوشت نہیں جائیداد چاہتے ہیں

کریں گے تجھ سے کبھی خواب کے تبادلے بھی
ابھی تو صرف ترا اعتماد چاہتے ہیں

خدا کو خوشیوں کے عالم میں پوچھتے بھی نہیں
یہاں چراغ کو سب دن کے بعد چاہتے ہیں

میں بے سبب تجھے ملنے کا تھوڑی کہتا ہوں
نمو کے واسطے پودے بھی کھاد چاہتے ہیں

اکیلا میں نہیں مصرعوں کا مالک و معبود
لغت نویس بھی لفظوں کی داد چاہتے ہیں

خدا کو زحمتِ کن دینی چاہیے حمزہ
تمام کون و مکاں اجتہاد چاہتے ہیں

تیری جگہ اداس ترا یار کرتا ہے
برگد کا کام سایۂ دیوار کرتا ہے

ملنے سے پہلے کوئی وسیلہ تلاش کر
پانی پہ چل کے کون ندی پار کرتا ہے

کیا ہو جو چار بول محبت کے بول دو
اتنا تو ہر مریض کا غمخوار کرتا ہے

ہونٹوں پہ جم چکی ہیں نمک کی کئی تہیں
صحرا ہے اور پیاس کا اظہار کرتا ہے

دلدل کا پھول کیسے کسی باغ میں کھلے
تو بوسہ دے کے مجھ کو گنہگار کرتا ہے

کل کی تمام خوبیاں ہوتی ہیں جزو میں
انگارہ آگ کی طرح تکرار کرتا ہے

آب و ہوائے دہر کی بے رونقی تو دیکھ
دنیا سے بڑھ کے کیا تجھے بیزار کرتا ہے

جس کو بھی کوئی شک ہوان آنکھوں سے پوچھ لے
سیلاب تو زمین کو ہموار کرتا ہے

پتھر نہ ہو تو شیشے کی کیا اہمیت رہے
میرا نہیں تو اپنا بھی انکار کرتا ہے

آئنہ ساز تو تو فقط اس مصیبت میں ہے کہ ترے آئنوں اور تجھ میں ازل سے کوئی خطِ تنسیخ ہے
دیکھ یہ میں ہوں اور میرے ہمراہ اک ایسی دنیا ہے جس کے سبھی باسیوں کے بدن میں دلوں کی جگہ میخ ہے

شعر کہتے رہو، بس میں اتنا کہوں گا کہ ہر شعر کو وقت دو، شعر کہنے میں جلدی کرو گے تو کھل جاؤ گے
پوری دنیا میں جو بھی پرندوں کی بولی سمجھتا ہے وہ صاف پہچان لے گا کہ یہ چہچہاہٹ نہیں چیخ ہے

جنگ کرنے میں کوئی قباحت نہیں لیکن اس جنگ کے سارے اسباب پر پہلے اپنی طرف سے بھی تحقیق کر
یہ فقط تیرے اجداد کے من گھڑت، پر تعصب، فریبی غلاظت میں لتھڑے ہوئے واقعے ہیں کہ تاریخ ہے

وصل اپنی جگہ، وصل کا لطف اپنی جگہ، وصل کے جتنے تشبیہہ اور استعارے ہیں وہ اپنی اپنی جگہ
سچ کہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے اے ماہ رو، جیسے تیرے بدن سے لپٹتا ہوا میں نہیں، آگ پر سیخ ہے

اس نے ذوقِ سخاوت دکھانے کی خاطر مجھے اپنی دل میں رہائش عطا کی تو پہلے ہی دن پوچھنے لگ گیا
حمزہ یعقوب کیا دربدر ہونے والوں کی اس بھیڑ کو دیکھ کر لگ رہا ہے مرا دل بھی وسعت میں مریخ ہے

باہر کی روشنی سے کہاں خاک ہو گئے
اپنی تپش سے کون و مکاں خاک ہو گئے

میں کیا بتاؤں ہجر جدائی ہے یا وصال
میرے لیے تو دونوں جہاں خاک ہو گئے

معنی ملے تو لفظوں کی ہیئت بدل گئی
دو چار دن میں اہلِ زباں خاک ہو گئے

جذبات اور ریاضی میں کچھ مشترک نہ تھا
اچھا ہوا کہ سود و زیاں خاک ہو گئے

باغِ ارم کے بھیس میں آتش کدہ تھا دل
جتنے بھی لوگ آئے یہاں، خاک ہو گئے

رونے لگا تو آنکھ سے آنسو نہیں گرا
لڑنے لگا تو تیر و کماں خاک ہو گئے

بے خوف ہو کے اپنا بدن سونپ غیر کو
میرے لگائے سارے نشاں خاک ہو گئے

(مقصودِ وفا کے نام)

دشتِ دل ہے ، یہاں رفتار سے کیا چلتا ہے
ایسے چل جیسے کوئی آبلہ پا چلتا ہے

پھر کسی دن ترے قانون نے آنکھیں کھولیں
میں سمجھتا تھا یہاں حکمِ خدا چلتا ہے

اشک گرتا ہے تو آنکھوں کی خبر ہوتی ہے
ضرب پڑتی ہے تو پتھر کا پتہ چلتا ہے

یہی بہتر ہے کہ اب بزم سمیٹی جائے
صبح ہونے کو ہے اور دل بھی بجھا چلتا ہے

یوں ہی نہیں ہے دوست مرا دم گھٹا ہوا
دل ہے کہ اک تنور دھوئیں سے بھرا ہوا

تیراکی ایک فن سہی اپنی جگہ مگر
لے ڈوبتا ہے جسم سے پتھر بندھا ہوا

پہچانتے تھے تجھ کو تری تازگی سے ہم
اے پھول جیسے شخص ترے ساتھ کیا ہوا

اک بار میرے عشق سے منسوب ہو کے دیکھ
مٹتا نہیں ہے نام شجر پر کھدا ہوا

میری نظر میں ہجر و وصال ایک جیسے ہیں
تم ہی کہو کہ اچھا ہوا یا برا ہوا

سب نے اپنی کہکشاؤں سے علیحدہ کر دیا
میں نے اپنی روشنی سے ایسا بھی کیا کردیا

کھل کے رو دینے کی نوبت ہی نہیں آئی کبھی
پہلے ہی آنسو نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا

شکر ہے مجھ کو نئی آب و ہوا راس آ گئی
ایک ہجرت نے مرا ہر زخم اچھا کر دیا

پہلے بھی خالق کی تنہائی کچھ ایسی کم نہ تھی
پوجنے والوں نے اس کو اور تنہا کر دیا

اتنی حدت تھی مری آنکھوں کے پردے جل گئے
روشنی کی اک کرن نے جیسے اندھا کر دیا

کیا جانیے کب دیدۂ حیران میں آئی
ہر چیز اچانک مرے امکان میں آئی

پنچھی کسی مفروضے کے قائل نہیں ہوتے
یہ پہلی صفت تھی کہ جو انسان میں آئی

کیا ہو گیا دشمن کو اگر دل میں جگہ دی
الحاد کی آیت بھی تو قرآن میں آئی

میں رات گئے جونہی سفر کے لیے نکلا
دن بھر کی تھکن بھی مرے سامان میں آئی

فرقت نے سکھایا مجھے قربت کا سلیقہ
آزادی یسر مجھے زندان میں آئی

اس بار مرے لوگ مرے ساتھ نہیں تھے
اس بار کمی صرف مری شان میں آئی

عالم میں ہر اک چیز کی قیمت ہے مقرر
یہ روشنی تاریکی کے تاوان میں آئی

کہاں تک بچ سکو گے ہمسفر آہستہ آہستہ
نگل جاتا ہے کشتی کو بھنور آہستہ آہستہ

بہت مشکل ہے پہلے وار میں گردن اتر جائے
میں اس کو چھوڑ جاؤں گا مگر آہستہ آہستہ

ہمارے آنسوؤں کے سامنے کوئی نہ ٹک پایا
اکھڑنے لگ گئے دیوار و در آہستہ آہستہ

میں اک دن کانپتے ہاتھوں سے اس کا جسم چُھو لوں گا
نکل جاتے ہیں دل سے سارے ڈر آہستہ آہستہ

میں روتا ہوں مگر جذبات بے قابو نہیں ہوتے
ہوا چلتی تو ہے صحرا میں پر آہستہ آہستہ

(حسیب الحسن کے نام)

طلسم خانۂ حیرت سے جا لگوں گا میں
کہانی کار کو اک دیوتا لگوں گا میں

ابھی تو ریت کی صورت اڑا رہے ہو مجھے
ذرا سی دیر رکو، آئنہ لگوں گا میں

برا لگے گا کوئی دن تجھے بدن کا خیال
پھر ایک شب ترے سینے سے آ لگوں گا میں

سفر میں تجھ پہ کبھی اہمیت کھلے گی مری
بھٹکنے والے تجھے راستہ لگوں گا میں

ترے غبار نے میری چمک گھٹا دی ہے
ہوا چلے گی تو پھر سے نیا لگوں گا میں

پہن لیا تھا کسی روز باپ کا جوتا
مجھے لگا تھا کہ ایسے بڑا لگوں گا میں

خدا پرستوں نے کافر سمجھ کے مار دیا
پتہ نہیں کہ فرشتوں کو کیا لگوں گا میں

شکست کھا کے بھی میری انا بچی رہے گی
اجڑتے وقت بھی اس کو ہرا لگوں گا میں

ہزاروں واقعے میں نے نگل لیے حمزہ
مؤرخین کو آتش کدہ لگوں گا میں

اسلوب یقیناً ہے جداگانہ خدا کا
پڑھتا ہوں تجھے جان کے افسانہ خدا کا

طالب کی طلب وسعتِ دامن سے جڑی ہے
ہم رند سمجھ سکتے ہیں پیمانہ خدا کا

دن رات ٹپکتے ہیں مری آنکھ سے آنسو
خالی نہیں ہوتا کبھی میخانہ خدا کا

آیا ہے کوئی شخص دلِ زار میں رہنے
دیکھا ہے کسی نے کبھی ویرانہ خدا کا

کیا شیخ کو آدابِ فضیلت نہیں آتے
کھینچے ہے کبھی دست کبھی شانہ خدا کا

جاتے ہیں طبیعت کی روانی جہاں لے جائے
مخصوص پتہ ہے کوئی میرا نہ خدا کا

بے رونقی خالق کو بھی اچھی نہیں لگتی
رنگوں سے بھرا رہتا ہے بت خانہ خدا کا

گلے ملتے ہوئے واپس پلٹ جائے گا صاحب
غبارہ دھوپ میں جاتے ہی پھٹ جائے گا صاحب

ہمارے دل پہ جتنے لوگ قابض ہو رہے ہیں
یہ پتھر تو کئی ٹکڑوں میں بٹ جائے گا صاحب

مصیبت میں سہارے کی طلب کس کو نہیں ہے
اندھیرا روشنی سے خود لپٹ جائے گا صاحب

دلوں میں رہنے والے کل لبوں پر آ رہیں گے
بدن کا خون آنکھوں میں سمٹ جائے گا صاحب

ہمارے شر سے کوئی چیز کیسے بچ سکے گی
مجھے لگتا ہے یہ جنگل بھی کٹ جائے گا صاحب

محبت میں اناڑی پن بہت نقصان دہ ہے
یہ جھولا پہلے چکر میں الٹ جائے گا صاحب

اگر کچھ پوچھنا ہے اپنے صحراؤں سے پوچھیں
سمندر آپ کے رستے سے ہٹ جائے گا صاحب

سو طرح سے پیار کا اظہار کر سکتا تھا میں
اس کی خاطر روز دریا پار کر سکتا تھا میں

روشنی سے بھی مری حسِ بصارت تیز ہے
بند آنکھوں سے ترا دیدار کر سکتا تھا میں

وہ سمجھتی تھی کہ اچھے دوست بن سکتے ہیں ہم
میں سمجھتا تھا کہ اس سے پیار کر سکتا تھا میں

میں نے اس عورت کو جھٹلانے کی کوشش ہی نہ کی
پھول کی خوشبو سے کب انکار کر سکتا تھا میں

چارہ سازی کرتے کرتے فتنہ سازی آ گئی
جو بناتا تھا اسے مسمار کر سکتا تھا میں

کچھ نہ کہہ کر بات کا اظہار کرنا آ گیا
کیا تمھیں بھی ایک طرفہ پیار کرنا آ گیا

آنکھ سے جو اشک ٹپکے تھے وہ دل تک آ گئے
پانیوں کو راستہ ہموار کرنا آ گیا

تیرنے والے کنارے تک کبھی نہ آ سکے
ڈوبنے والوں کو دریا پار کرنا آ گیا

اب مجھے اگلی صفوں میں کیوں نہیں رکھتے ہیں آپ
اب تو مجھ کو سامنے سے وار کرنا آ گیا

مجھ کو اس عورت کے دل کی حکمرانی مل گئی
روشنی کو آئنہ مسمار کرنا آ گیا

شجر کا سایہ نہ دیوار ہے ہمارے لیے
جہان پہلے سے مسمار ہے ہمارے لیے

زباں سے کچھ نہیں کہنا اشاروں میں کہہ دو
مگر یہ خامشی انکار ہے ہمارے لیے

مجھے بتاؤ کہ آنکھوں میں کیوں نہیں آتا
تمھارے دل میں اگر پیار ہے ہمارے لیے

ہم اپنے قتل کی سازش میں پھنسنے والے ہیں
پلاٹ پہلے سے تیار ہے ہمارے لیے

گزشتہ دل میں تو ہم خاک اڑایا کرتے تھے
یہاں پہ کون سا کردار ہے ہمارے لیے

زمانہ ساز نہیں ہیں تمھارے عاشق ہیں
دماغ دل کا طرف دار ہے ہمارے لیے

جگہ جگہ پہ نشیب و فراز ہیں ہم میں
زمین اور بھی ہموار ہے ہمارے لیے

وہ اپنا عکس تو دنیا میں تھوڑی دیکھے گا
یہ آئنہ اسے درکار ہے ہمارے لیے

کوئی بھی چیز علامت سے کم نہیں حمزہ
سکوت، شور کا اظہار ہے ہمارے لیے

ابھی تو صرف بدن زیرِ غور ہے ورنہ
ہمارا اصل ہدف تو کچھ اور ہے ورنہ

کمائی کے لیے لشکر میں بھرتی ہو گیا ہوں
مری سرشت میں کب ظلم و جور ہے ورنہ

کوئی قیام ہی اس دل کو معتبر کرے گا
ہر ایک غار کہاں غارِ ثور ہے ورنہ

جو کر رہے ہیں وہ بے کار کام کر رہے ہیں
یہ دور صرف دکھاوے کا دور ہے ورنہ

/جمالیات کی حد طے نہ ہو سکی ہم سے
پرندوں کے لیے موسیقی شور ہے ورنہ/

زمانے بعد محبت قبول ہو گئی تھی
کلی نہیں تھی جو کھلتے ہی پھول ہو گئی تھی

کوئی خدا کے نہ ہونے پہ غور کر رہا تھا
کسی کی پہلی دعا ہی قبول ہو گئی تھی

قریب آئے تو اک دوسرے کو چھوڑ دیا
کشش بڑھی تو زمیں بے اصول ہو گئی تھی

اور آج اس کو بھی دل سے نکال پھینکا ہے
جو چیز سب سے اہم تھی، فضول ہو گئی تھی

میں اس کو کھینچ کے اپنی طرف نہیں لایا
یہ دنیا خود مرے رستے کی دھول ہو گئی تھی

گلے لگا کے غلط فہمیاں مٹا دوں گا
میں مانتا ہوں کہ مجھ سے بھی بھول ہو گئی تھی

کوئی جواز نہیں ہے مری اداسی کا
بس ایسے میری طبیعت ملول ہو گئی تھی

لچک کا کیا ہے کہ آب و ہوا میں کچھ بھی نہیں
گلوں میں کچھ ہے تو بادِ صبا میں کچھ بھی نہیں

یہ کائنات ہمیشہ سے ایک جیسی ہے
نیا تو آج بھی ارض و سما میں کچھ بھی نہیں

جو خوبیِ کل میں ہو وہ جزو میں نہیں ہوتی
خدا میں رحم ہے، خلقِ خدا میں کچھ بھی نہیں

وہ آگ ہوں جو سمندر کے نیچے جل رہی ہے
مرے لیے تو کسی انتہا میں کچھ بھی نہیں

ذرا سی دیر اسی برزخ میں رہ کے دیکھ لیا
کھلا کہ عرصہ ء بیم و رجا میں کچھ بھی نہیں

کشش نہیں تو اس عورت کے پاس کیا ہو گا
مہک نہیں تو گلِ خوشنما میں کچھ بھی نہیں

ابھی گلے سے لگو یا مجھے جدا کر دو
یہ زندگی ہے یہاں التوا میں کچھ بھی نہیں

فریبِ دہر ہے تاروں کا ٹوٹنا حمزہ
کرشمہ سازیِ عبرت سرا میں کچھ بھی نہیں

آنکھوں میں عکس بارِ دگر روشنی کا ہے
پانی میں جانے کب سے گزر روشنی کا ہے

رہتا ہوں اک سیاہ بھنور کے قریب میں
اور انتظار شام و سحر روشنی کا ہے

تم اور عورتوں سے الگ ہو تو کس طرح
یہ ذائقہ تو ویسے بھی ہر روشنی کا ہے

بجھتا چمکتا رہتا ہے دل بار بار کیا
دیوار تیرگی کی ہے، در روشنی کا ہے

ٹکراتی پھر رہی ہے ادھر سے ادھر یہاں
شاید خلا میں پہلا سفر روشنی کا ہے

رفتار پر ہی رائے نہیں بن رہی مری
میں جانتا ہوں رخ بھی جدھر روشنی کا ہے

سب لوگ جیسے برہنہ رہتے ہیں اس جگہ
شاید اسی لیے انہیں ڈر روشنی کا ہے

تنہا اٹھائے پھرتی ہے ہجرت کا بوجھ بھی
جن ہے یہاں نہ کوئی بشر روشنی کا ہے

آواز دے رہے ہیں مجھے اور لوگ بھی
شعلہ اگر نہیں تو شرر روشنی کا ہے

پتھر تو آئنے میں اترنے سے رہ گئے
خطرہ تو صرف پیشِ نظر روشنی کا ہے

تمھیں بھی مجھ سے کہاں پیار ہونے والا ہے
یہ خواب ویسے بھی مسمار ہونے والا ہے

وہ لڑکی لگتا ہے جتنے قریب آ گئی ہے
شجر پہ پھول نمودار ہونے والا ہے

فلک پہ صرف جگہ دیکھ کر بتا دوں گا
ستارا کتنا چمکدار ہونے والا ہے

زمیں پہ جس طرح مخلوق شور کر رہی ہے
خدا بھی نیند سے بیدار ہونے والا ہے

وہ پہلے سے نظر انداز کر رہی ہے مجھے
سفر شروع سے دشوار ہونے والا ہے

سکوت سے نہ سہی، شور سے سہی لیکن
کسی طرح سے تو اظہار ہونے والا ہے

تم اور میں تو کسی بھی قطار میں نہیں ہیں
یہاں خدا کا بھی انکار ہونے والا ہے

گل ہے اور بدگماں تو ہوگا ہی
دل میں خوفِ خزاں تو ہو گا ہی

کچھ میں اپنی زباں سے کہہ دوں گا
باقی رخ سے عیاں تو ہو گا ہی

ریل گاڑی نہیں تو کیا غم ہے
گاؤں میں اک کنواں تو ہو گا ہی

جس نے پامال کر کے چھوڑا ہے
اس کا کوئی نشاں تو ہو گا ہی

تم بس ابہام ڈھونڈ کر لاؤ
معنی شاعر کے ہاں تو ہو گا ہی

شہر آباد ہے ترے دل میں
ایک خالی مکاں تو ہو گا ہی

دونوں آنکھیں بھی سوکھ جائیں اگر
چشمۂ دل رواں تو ہو گا ہی

یہ نیا کاروبار ہے حمزہ
اس میں اتنا زیاں تو ہو گا ہی

کوئی کرے بھی اگر ، ہو بہو نہ ہو تاکہ
مرے علاوہ کسی سے رفو نہ ہو تاکہ

اسی لیے تو تجھے بے نشان چھوڑا تھا
کسی کے سامنے بے آبرو نہ ہو تاکہ

تمام روشنی کچھ پیڑ روک لیتے ہیں
ہماری ان سے زیادہ نمو نہ ہو تاکہ

ہر ایک وار میں سینے پہ بڑھ کے لیتا ہوں
کہیں عدو کے نشانے پہ تو نہ ہو تاکہ

تمام عمر اسے ساتھ رکھ سکوں اپنے
وہ زخم دے جسے بھرنے کی خو نہ ہو تاکہ

زبان کاٹ کے تحفے میں بھیج دی اس کو
دوبارہ اس سے کبھی گفتگو نہ ہو تاکہ

بوجہ منصب و نام و نسب نہیں کرتا
یہ بدتمیز کسی کا ادب نہیں کرتا

عجیب حال میں ہے ان دنوں وہ شہزادہ
کنیز تک کو حرم میں طلب نہیں کرتا

جہاں ملے مجھے کھل کر سراہتا ہے مگر
مقابلے میں کبھی منتخب نہیں کرتا

خوشی تو ہوتی ہے سب کو بہار آنے کی
ہمارے کھلنے کا کوئی سبب نہیں کرتا

خدا خبر ترا کس نے خیال رکھنا تھا
یہ کام میں ہی اگر روز و شب نہیں کرتا

اگر کہیں پہ کبھی بات کرنی پڑ جائے
ہمارا تذکرہ تک زیرِ لب نہیں کرتا

یہ مت بتا مری دنیا نے قدر کیوں نہیں کی
تو خود مجھے نظر انداز کب نہیں کرتا

سب اپنے اپنے تعصب کے نام پر کریں گے
وہ ظلم جو کسی مذہب کا رب نہیں کرتا

نثری نظمیں

ہم پہلی بار کہاں ملے تھے

(ڈیبورا بالاٹون/Deborah Balaton کے نام)

ہم پہلی بار کہاں ملے تھے
شاید ہیونز کلب کے ڈانس فلور پر
جہاں تم نشے سے چور ہو کر ڈگمگا رہی تھی

ہم پہلی بار کہاں ملے تھے
شاید ڈینیوب کے کنارے
جہاں تم جنگ میں شہید ہونے والے بچے کے جوتوں میں
پھول
رکھ رہی تھی

ہم پہلی بار کہاں ملے تھے
شاید بوبیتیا اتسا پر
جہاں تم کسی بس کا انتظار نہیں کر رہی تھی
ہم پہلی بار کہاں ملے تھے
شاید فشرمین کے پرانے قلعے میں

جہاں اب مچھیروں کا داخلہ منع ہے

ہم پہلی بار کہاں ملے تھے
شاید ہالووین کے تہوار پر
جہاں تم یونی کارن کے روپ میں ایک کاؤ بوائے کو تلاش
کر رہی تھی

ہم پہلی بار کہاں ملے تھے
شاید ایک کافی شاپ میں
جہاں ایسپریسو کی کڑواہٹ کے دو ہی طلبگار تھے

(آدمی کا حافظہ اس کے وعدوں سے زیادہ کمزور ہوتا ہے)

آج ایک عرصے کے بعد
آخری ملاقات کے لیے
جگہ کا انتخاب کرتے ہوئے
میں سوچ رہا ہوں
کہ ہم پہلی بار کہاں ملے تھے؟

کلاس فیلو
(شائستہ کے نام)

ہم ملتے ہیں
لارنس گارڈن کے کسی ٹوٹے ہوئے بینچ پر
ویران لائبریریوں کے ریکس کے پیچھے
یا کسی بس اسٹیشن کے ویٹنگ پوائنٹ پر
ہم ملتے ہیں
مال روڈ سے دور
کسی پر سکون کیفے کی تلاش میں
میوزیم کی خالی راہداریوں میں
یا کسی بک شاپ پر

کتابیں خریدنے کے بہانے سے
ہم ملتے ہیں
بند رکشوں کی پچھلی سیٹ پر
اسٹیڈیم کے ساتھ والے گیسٹ ہاؤس میں
یا کسی دوست کی بیٹھک پر
ہم ملتے ہیں
ان تمام مقامات پر
جہاں کوئی بھی نوجوان جوڑا ایک دوسرے سے مل سکتا ہے
اس کے باوجود
وہ اپنے گھر والوں کو میری تصویر نہیں دکھا سکتی
کیونکہ میں اس کا کلاس فیلو نہیں ہوں

A new defintion of love

میں نے محبت کے تمام سانچے توڑ ڈالے
اور اپنی محبوبہ کو آزاد کر دیا

اب وہ اپنی پسند کے کسی بھی مرد کے ساتھ سو سکتی ہے
اور ان تمام خواہشات کی تکمیل کر سکتی ہے
جنھیں محبت کا روایتی رکھ رکھاؤ ادھورا رکھتا ہے

میرے بازو ایک گھونسلے کی طرح ہمیشہ کھلے رہتے ہیں
رات بھر نئی دنیاؤں کی سیر کرنے کے بعد
وہ صبح سویرے واپس لوٹتی ہے
اور کسی معصوم بچے کی طرح میری گود میں چھپ جاتی ہے

میں اسے سر سے پاؤں تک چومتا ہوں
اور اپنے سینے سے لگا کر یہ بتاتا ہوں
کہ محبت کسی قید خانے کا نام نہیں ہے

سبب / مسبب

میرا کمرہ
مجھ سے سخت ناراض ہے

پچھلے کچھ دنوں سے
ہم آپس میں بالکل بات چیت نہیں کرتے
لیکن ناراضگی کا احساس دلانے کے اور بھی کئی طریقے ہیں
مثلاً
رات کے آخری پہر
جب درجہ حرارت زیرو سے نیچے گر جاتا ہے
تو کمرے کی دونوں کھڑکیاں خود بخود کھل جاتی ہیں
اور ہینگرز پر لٹکے ہوئے کپڑے
پورے کمرے میں بکھر جاتے ہیں

میں اکثر رات کو دیر سے گھر آتا ہوں
اور آہستگی سے دروازہ کھولنے کی کوشش کرتا ہوں
تاکہ کمرے کی نیند خراب نہ ہو

لیکن وہ کسی ناراض بیوی کی طرح پہلے سے جاگ رہا ہوتا ہے

میں ناشتے کی بچی کچھی روٹیاں اور جیک ڈینیلز کا ایک پیگ
معدے میں اتار کر بستر پر لیٹ جاتا ہوں
ٹیبل پر رکھی
خوشبودار موم بتیاں
میرا اور ماچس کی تیلی کا انتظار کرتی رہتی ہیں
لیکن ہمیں ان کا کوئی خیال نہیں آتا

میرا کمرہ
مجھ سے سخت ناراض ہے

بظاہر ایسا کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں
بلکہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے
پچھلی گرمیاں
ہم دونوں نے خوب قہقہے لگاتے ہوئی گزاریں
میں اسے اجنبی زمینوں کے سفر کی داستانیں سناتا
اور وہ مجھے ان لوگوں کی

جنھوں نے کبھی اس میں قیام کیا

لیکن کچھ دن پہلے
جب میں دفتر سے واپس آیا
تو کمرے کو خلافِ معمول
بے حد خاموش پایا

میں نے اس تبدیلی پر کوئی ری ایکٹ نہیں کیا
اور آرام سے کھانا کھا کر سو گیا

اس دن سے میرا کمرہ
مجھ سے سخت ناراض ہے

شاید مجھے خاموشی کا جواب چیخ کر دینا چاہیے تھا

Argument/دلیل

ہم پیدا ہوتے ہیں
اور زمین کا بوجھ بڑھا دیتے ہیں

ہمیں ہماری مادری زبان کے علاوہ
کوئی دوسری زبان نہیں آتی

ہم اپنا سارا بچپن
طغارچوں میں مٹی ڈھوتے
اور مزدوری کرتے ہوئے گزار دیتے ہیں

ہم نے کبھی گہرے پانیوں کے قصے نہیں سنے ہوتے
اور نہ ہی ہمیں کتابیں پڑھنے کا کوئی شوق ہوتا ہے

محض دو وقت کی روٹی کے عوض
ہم کسی بھی قسم کا کام کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں

ہم نے کبھی بیل گاڑی کی سواری نہیں کی ہوتی

لیکن ضرورت پڑنے پر
ہم موت کے کنویں میں بھی موٹر سائیکل چلا لیتے ہیں

ہمارے بزرگوں نے ہمیں ہر حال میں صبر اور شکر کرنے کی تلقین کی
اور ہم نے دل و جان سے ان کی بات پر عمل کیا

ہم خرگوشوں کی طرح اپنی تعداد بڑھاتے ہیں
تاکہ ناپید نہ ہو سکیں

کبھی کسی بجلی کی کھمبے پر تار درست کرتے ہوئے ہم کرنٹ کی زد میں آ جاتے ہیں
کبھی کسی بدبودار گٹر کی صفائی ہماری جان لے لیتی ہے
کبھی کسی فیکٹری میں کام کرتے ہوئے ہمارا ہاتھ مشین میں

آجاتا ہے
اور کبھی کوئی تیز رفتار گاڑی بے دھیانی میں ہمیں کچل کر چلی
جاتی ہے

زندہ رہنے کے سارے بنیادی وسائل ہم سے چھین لیے
جاتے ہیں
اور ہمیں ہمارے ہی ملک میں غلام بنا دیا جاتا ہے

نسل در نسل ان کی اطاعت کرنے کے باوجود
ہمارے مالک ہم سے خوش نہیں

کسی بھی نئے بچے کی پیدائش پر
وہ ہمیں مبارکباد نہیں دیتے
بلکہ اپنی ترقی یافتہ دنیا کی ایک تصویر دکھا کر بتاتے ہیں
کہ ہم پیدا ہوتے ہیں
اور زمین کا بوجھ بڑھا دیتے ہیں

Thousands ways to say I love you

میں تمھیں چومنا چاہتا ہوں
لیکن قریب آنے سے پہلے
مجھے کوئی اور کام یاد آجاتا ہے
میں دور سے ہاتھ ہلا کر
دوبارہ کسی وقت آنے کا اشارہ کرتا ہوں
اور منظر سے غائب ہو جاتا ہوں

میں تمھیں یاد کر رہا ہوتا ہوں
جب تم مجھ سے پوچھتی ہو
کیا تم مجھے یاد کر رہے تھے
اور میں کہتا ہوں
نہیں
آدمی کے پاس

کرنے کے لیے اور بھی بہت سے کام ہوتے ہیں

میں تمھیں بتا رہا ہوتا ہوں
مجھے تم سے کتنی محبت ہے
جب تم کہتی ہو

/آئی لو یو/
اور میں
خاموش ہو جاتا ہوں

Nocturnal Lagophtalmos

ہر رات
سونے سے پہلے
میں دعا مانگتا ہوں
کہ آج رات کوئی خواب نہ دیکھوں

خواب کسی ہنستے ہوئے بچے کی تصویر نہیں
جسے بار بار دیکھا جا سکے

خواب ایک ادھیڑ عمر فاحشہ کا پھٹا ہوا بلاؤز ہے / خواب ایک برگد کا پیڑ ہے جس پر جنوں اور چڑیلوں نے قبضہ کیا ہوا ہے / خواب ایک سادہ لوح عاشق کی دھوکے باز محبوبہ ہے / خواب ایک لوکل بس کا کنڈکٹر ہے / خواب ایک ایسی سڑک ہے جو کہیں نہیں جاتی

لیکن جیسے ہی میں بستر پر لیٹتا ہوں

سینکڑوں خواب
سانپوں کی طرح سرسراتے ہوئے
میرے بستر میں گھس آتے ہیں

میں دہشت زدہ ہو کر
کوئی حرکت نہیں کرتا

ساری رات میری آنکھیں
چھت پر لگے ہوئے پنکھے کو گھورتی رہتی ہیں

صبح سویرے یونیورسٹی جانے سے پہلے
میرا روم میٹ
مجھے کھینچ کر بستر سے نکالتا ہے
اور بتاتا ہے
کہ مجھے آنکھیں کھول کر سونے کی عادت ہے

Happy Birthday to Me

سچ بتاؤں تو میرے نزدیک
دنوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں

راتیں اہم ہوتی ہیں
کیونکہ یہ رازوں کو جنم دیتی ہیں
لیکن دن
صرف ہمیں برہنہ کرنے کے لیے آتے ہیں

ویسے بھی
میرا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوتا
جو سو کر اٹھتے ہیں
تو پھولوں کا ایک گلدستہ
ان کے سرہانے موجود ہوتا ہے

مجھے آج تک
کسی نے تحفے میں مور کا پر نہیں دیا
اور نہ ہی کوئی ایسی کتاب
جس میں سوکھی ہوئی پتیاں موجود ہوں

کل مری سالگرہ تھی

اور سارا دن گزر جانے کے بعد بھی
مجھے یہ بات یاد نہیں آئی

میں نے معمول کے مطابق تمھیں یاد کیا
اور شام سے پہلے
بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں

شاید مجھے سونے سے پہلے
کیلنڈر دیکھنا چاہیے تھا

Hell

قسم ہے اس عورت کی
جس کے قبضے میں میرا دل ہے

میں نہیں جانتا میں آخری بار کب ہنسا تھا

کوئی بھی کام کرنے کے لیے
آدمی کے پاس
بہت سی وجہیں ہونی چاہیں

(اور میرے پاس
عرصہ دراز سے

ہنسنے کی ایک بھی وجہ نہیں)

میں روز ڈیکارٹ کے مجسمے سے لگ کر روتا ہوں
اور سوچتا ہوں
ریشلزم از ہیل / (Rationalism is Hell)

Why does I have a breakup every Winter?

برفباری کے موسم میں
میں کبھی گھر سے باہر نہیں نکلتا
ان دنوں کسی بھی قسم کی نقل و حرکت
دیوتاؤں کے غیض و غضب کو للکار سکتی ہے

سوکھے، سہمے، اور ٹھٹھرے ہوئے درخت
مجھے میری ماں کی یاد دلاتے ہیں
جو ہر سال
صفر کے مہینے کے آغاز میں
ہم چاروں بہن بھائیوں کو یہ نصیحت کرتی تھی:
شام کے بعد

تم میں سے کسی نے گھر سے باہر نہیں نکلنا
ان دنوں آسمان سے بلائیں نازل ہوتی ہیں

عصر کے وقت
ہم جنگل سے لکڑیاں جمع کرنے کے لیے نکلتے
اور ماں کی ہر نصیحت کی طرح
یہ نصیحت بھی بھول جاتے

ہم نے کبھی
آسمان سے اترتی ہوئی بلائیں نہیں دیکھی تھیں
لیکن شام کے بعد
گھر صحیح سلامت لوٹنے پر
ماں کو جائے نماز بچھا کر
دعا کرتے ہوئے ضرور دیکھا تھا

ربیع الاول کا چاند طلوع ہونے تک
ماں کے چہرے پر
پریشانی
اور وحشت کے آثار نمایاں رہتے تھے

سونے سے پہلے
میں ماں کے چہرے کو غور سے دیکھتا
اور سوچتا
کہ آسمان سے بلائیں صرف ایک ماہ کے دوران ہی کیوں
نازل ہوتی ہیں
کیا ہر حادثہ
کسی مخصوص موسم میں وقوع پذیر ہوتا ہے